بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱ | ماہ ستمبر ۲۰۱۳ء مطابق ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۹

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر / مولانا نور عالم خلیل امینی	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۹
۳	دور حاضر کے علمی سوالات	مولانا زاہد الراشدی	۲۷
۴	تقلید اور مذاہب اربعہ پر غور کرنے کا سیدھا راستہ	مولانا یحیی نعمانی	۳۳

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرِ تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرِ تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرِ تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبرشپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔
بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸ - یوپی، انڈیا-

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

فون نمبر: Ph:0522-4079758
e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے-----

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر/مولانا نور عالم خلیل امینی

(۱)

کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

مدیر

گزشتہ سال ۳۰/جون ۲۰۱۲ء کو مصر میں ایک ایسے صدر نے حلف لیا تھا جسے مصر کی سات ہزار سالہ تاریخ میں پہلی بار ایک آزادانہ انتخابات کے ذریعہ مصری عوام کی اکثریت نے منتخب کیا تھا، اور ٹھیک ایک سال بعد ۳۰/جون ۲۰۱۳ء میں مصری فوج نے اسے اس کے عہدے سے برطرف کر کے گرفتار کر لیا، اور ملک کو پھر ایک بار فوجی تاناشاہی اور خانہ جنگی کی طرف ڈھکیل دیا..... یہ وہ خبر ہے جس نے پوری امت کے باخبر اور باشعور طبقے کو بے حد متأثر کیا ہے۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگ ہیں جن کے دلوں میں مصر اور عالم اسلام کے بہتر مستقبل کی امیدوں کے چراغ روشن ہو گئے تھے، وہ اب حیرت زدہ ہیں اور طرح طرح کے سوالات اور شکوک وشبہات میں گھرے ہوئے ہیں۔

یہ جو کچھ ہوا، مصر کے حالات پر نظر رکھنے والوں کے لئے ہرگز خلاف توقع نہیں ہے۔ انتخابات کے نتائج کے اعلان میں جب غیر معمولی تاخیر کی گئی تھی اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ مختلف اعلیٰ مناصب پر بیٹھے ہوئے لوگ اِن نتائج سے خوش نہیں ہیں، اور یہ کہ یہ نتائج ان کی توقعات اور منصوبوں کے سخت خلاف ہیں، مگر اس وقت عوامی دباؤ کے تحت انہیں نتائج کا اعلان کرنا ہی پڑا، پھر جب حکومت کی تشکیل ہوئی تو روز اول ہی سے ایسا صاف نظر آنے لگا کہ تمام لادینی طاقتیں حکومت کو ناکام کرنے پر اور رائے عامہ کو اس کے خلاف مشتعل کرنے پر تلی ہوئی ہیں، اس سلسلے میں سب سے بڑا کردار میڈیا نے ادا کیا، اس نے ایک طرف تو مصر کی معاشی مشکلات کو بڑھا چڑھا کر عوام کے سامنے پیش کرنا شروع کیا، جو دراصل سابقہ آمریت کے دور کا ورثہ تھیں، اور ایک حد تک ان کے بڑھانے میں اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں بیرونی طاقتوں اور ملکی

سرمایہ داروں کی سازشوں کا بھی حصہ تھا، اس سلسلے میں ایک نمایاں نام نجیب سویریس کا آرہا ہے جو عیسائی ارب پتی تاجر ہے، اور ٹی وی چینل اور کچھ اخبارات کا مالک ہے ''تمرد'' نام کی وہ تحریک جس کے ذریعہ کچھ نوجوانوں نے حکومت کے خلاف ایک زبردست دستخطی مہم چلائی اور جس نے پورے ملک میں حکومت مخالف فضا بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا اسکے پیچھے بھی اسی نجیب سویریس کا ہاتھ بتایا جارہا ہے۔

راقم سطور نے مصری انقلاب اور اس کے حقیقی اسباب وعوامل کو سمجھنے کے لئے انٹرنیٹ کے ذریعہ دنیا بھر کے صحافیوں، تجزیہ نگاروں اور مبصرین کی تحریروں اور تجزیوں کو پڑھنے کی کوشش کی، ۱۰ر جولائی کے نیویارک ٹائمز میں اس کے نمائندوں (BENHUBBARI اور DAVID KIRKPATRICK) کی قاہرہ سے بھیجی گئی جو تفصیلی رپورٹ چھپی ہے، میرے خیال میں اس سے اصلی صورت حال کو سمجھنے میں زیادہ مدد مل سکتی ہے اور اس پر جانب داری کا الزام بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ ذیل میں اس طویل رپورٹ کے اہم اجزاء کا اصل متن پیش ہے :اس رپورٹ پر نیویارک ٹائمز نے یہ سرخی لگائی تھی: Sudden improvement in Egypt suggest a Compaign to undermine Morsi.

Working behind the scenes,members of the old establishment ,some of them close to Mr.Mubark and the country's top generals, also helped finance ,advise and organize those determined to topple the Islamist ledership ,including Naguib Sawiris,a billionare and an outspoken foe of the Brotherhood;Thani el-Gebali,a former judge on the supreme Constitutional Court who is close to the ruling generals;and Shawki al-sayed,a legal adviser to Ahmed Shafik,Mr.Mubark's last prime minister,whe lost the presidential race to Mr.Morsi. But it is the police returning to the streets that offers the most blatant sign that the institutions once loyal to Mr.Mubark held back while Mr.Morsi was in power .Throughout his one -year

tenure,Mr Morsi struggled to appese the police ,even alienating his own supporters rather than trying to overhaul the Interior Ministry.But as crime increased and traffic clogged roads -undermining not only the quality of life ,but the economy-the police refused to deploy fully.....

Despite coming to power through the freest elections in Egyptian history, Mr morsi was unable to extend his authority over the sprawling state apparatus ,and his allies complained that what they called the "deep state "was undermining their efforts at governing.

While he failed to broaden his appeal and build any kind of national consensus,he also faced an active campaign by those hostile to his leadership,including some of the wealthiest and most powerful pillars of the Mubarak era.

Mr. sawiris, one of Egypt's richest men and a titan of the old establishment,said Wednesday that he had supported an upstart group called "tamarrud,"Arabic for "rebellion,"that led a petition drive seeking Mr.Morsi's ouster .He donated use of the nationwide offices and infrastructure of the political party he built,,the Free Egyptians,,He provided publicitythrough a popular television network he founded and his major interest in Egypt's largest private newspaper.He even commissioned the

production of a popular music video that played heavily on the network.

"Tamarrud did not even know it was me!he said ."I am not ashamed of it."

He said he had publicly predicted that ousting Mr.Morsi would bolster Egypt's sputtering economy because it would bring in billions of dollars in aid from oil-rich monarchies afraid that the islamist movement might spread to their shores.By Wednesday,a total of s12 billion had flowed in from Saudi Arabia,the United Arab Emirats and kuwait."That will take us for 12 months with no problem,"Mr Sawiris said.

Ms Gebali,the former judge, said in a telephone interview on Wednesday that she and other legal experts helped tamarrod create its strategy to appeal directly to the military to oust Mr.Morsi and pass the interim presidency to the chief of the constitutional court.

"We saw that there was movement and popular creativity, so we wanted to see if it would have an effect and a constitutional basis, "Ms Gebali said.

.....

اِس رپورٹ کے اِن اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

گزشتہ حکومت کے متعدد ارکان نے ،جن میں کئی لوگ سابق صدر حسنی مبارک اور ملک کے اعلیٰ فوجی جنرلوں سے قربت رکھتے تھے ، پردے کے پیچھے رہتے ہوئے ان عناصر کی بھر پور مالی مدد کی ،اور مشورے دیئے جو اسلامی ذہن رکھنے والی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے بے چین تھے ۔ اِن لوگوں

میں مشہور ارب پتی اور ''اخوان'' کا کھلا ہوا دشمن نجیب سویریس بھی شامل ہے۔ سپریم دستوری عدالت کی ایک سابق جج طحانی الجنانی اور حسنی مبارک کے دور میں آخری وزیر اعظم احمد شفیق کا قانونی مشیر شوقی السید بھی اس گروہ کے اہم ارکان میں ہیں۔

نیز جس طرح مصر میں (فوجی انقلاب کے بعد) اچانک پولیس نے سڑکوں پر آکر اپنی ڈیوٹی سنبھالی وہ اس بات کا سب سے زیادہ واضح ثبوت ہے کہ جو حکومتی ادارے سابقہ حکومت کے وفادار تھے انہوں نے صدر مرسی کے دور حکومت میں اپنا رویہ بالکل بدل لیا تھا، صدر مرسی اپنے پورے ایک سالہ دور میں پولیس کو راضی کرنے اور منانے ہی میں لگے رہے۔ انہوں نے وزارت داخلہ کے پورے ڈھانچے کو بدل ڈالنے کے بجائے اپنے ہی لوگوں کی ناراضی مول لینے کو ترجیح دی، چنانچہ جرائم بڑھتے گئے، اور سڑکوں پر ٹریفک کا حال بدتر سے بدتر ہوتا گیا، جس کی وجہ سے زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی گئی اور معیشت کا حال بھی خراب ہوتا گیا، مگر پولیس اپنے فرائض ادا کرنے سے انکار کے رویہ پر جمی رہی۔

مصر کی تاریخ کے سب سے زیادہ صاف وشفاف الیکشن میں منتخب ہوکر مسند اقتدار تک پہنچنے کے باوجود صدر مرسی ریاست کی انتظامیہ کو قابو میں کرنے میں ناکام رہے۔ اور ان کے حلیفوں کو یہی شکایت رہی کہ بیوکریسی ان کی تمام کوششوں کو ناکام کر رہی ہے۔ اگر ایک طرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ قومی مفاہمت کی فضا بنانے میں ناکام رہے تو یہ بھی درست ہے کہ ان کی قیادت کے مخالفوں اور ملک کے چوٹی کے سرمایہ داروں کی طرف سے انہیں شدید مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا، مصر کے سب سے بڑے سرمایہ دار اور مبارک کے دور کے طاقت ور ستونوں میں سے ایک، نجیب سویرس نے بدھ کے روز خود کہا کہ ''تمرد'' نامی تنظیم کے پیچھے اسی کا ہاتھ تھا۔ اس نے ملک بھر میں پھیلے اپنے دفاتر کے علاوہ اپنی سیاسی پارٹی ''فری اجپشنز'' کے بھی تمام مراکز کو اس تحریک کے حوالے کر دیا، نیز ٹی۔ وی چینلوں اور اخبارات کے ذریعہ زبردست تشہیر بھی کی، اس نے بڑی صفائی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ:

''خود تمرد کو بھی یہ بات معلوم نہ تھی کہ (اس کے پیچھے) میں ہوں''

اس نے یہ بھی کہا کہ وہ صاف صاف یہ پیشین گوئی بھی کر چکا تھا کہ مرسی کے جاتے ہی ملک کی معیشت بہتر ہوجائے گی، اس لئے کہ تیل کی دولت سے مالا مال وہ عرب شاہی حکومتیں جو اس بات سے خائف ہیں کہ کہیں اسلامی تحریک ان کے یہاں تک نہ پھیل جائے وہ اربوں ڈالر کی مدد فوری طور پر بھیجیں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا،

انقلاب کے چند دن کے اندر اندر سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور کویت سے ۱۲ ارب ڈالر کی امداد آ گئی ۔سویریس کا کہنا ہے کہ یہ امداد ۱۲ مہینوں تک ہمارے لئے کافی ثابت ہوگی۔

دستوری عدالت کی سابق جج محترمہ جبالی نے بدھ کے دن ایک ٹیلی فونی انٹرویو میں کہا کہ انہوں نے اور چند اور ماہرین قانون نے ''تمرد'' کو یہ حکمت عملی اپنانے کا مشورہ دیا کہ وہ براہ راست فوج سے اپیل کریں کہ صدر مرسی کو برطرف کر کے دستوری عدالت کے سربراہ کو عبوری صدر بنا دے۔انہوں نے مزید کہا کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ حالات بدل سکتے ہیں اس لئے ہم نے چاہا کہ تبدیلی کی کوششیں مؤثر بھی ہوں اور ان کو دستوری جواز بھی حاصل ہو۔

ایک پٹرول پمپ کے مینیجر احمد نبوی نے کہا کہ پٹرول اور گیس کی کمی کی کئی وجہیں بتائی جارہی تھیں، مگر ہم نے تو دیکھا کہ صبح اٹھے تو سارا بحران ختم ہو چکا تھا۔۔۔۔۔''

.....

ذرائع ابلاغ میں مشہور خبر رسال ایجنسی رائٹر کی طرف سے بھیجی گئی ایک تفصیلی رپورٹ بھی اس وقت تجزیہ نگاروں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔اس رپورٹ کی سرخی ہے:

SUDDEN IMPROVEMENTS IN EGYPT SUGGEST A COMPAIGN TO UNDERMINE MURSI

(مصر میں اچانک حالات میں بہتری: مرسی کو ناکام کرنے کی سازش کا ثبوت)

اس رپورٹ میں ان باتوں کے علاوہ جو نیویارک ٹائمز کے بیورو چیف کی مذکورہ بالا رپورٹ میں آپ پڑھ چکے ہیں، صدر مرسی کے خلاف چلائی جانے والی عوامی تحریک اور فوج کے درمیان رابطہ کی کافی تفصیل بتائی گئی ہے۔اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ احتجاجی مظاہروں سے کئی ہفتے پہلے سے تمرد تحریک کا ایک مرکزی لیڈر ولید المصری چند ریٹائرڈ فوجی افسران کے ساتھ مسلسل رابطہ میں تھا، مصری کے کہنے کے مطابق ان افسران نے یقین دلایا تھا کہ ۳۰ رجون کو احتجاج کے لئے جمع ہونے والے ہجوم کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ان افسران نے یہ بھی اعتماد دلایا تھا کہ وہ یہ پیغام موجودہ برسرِ کار فوجی اعلی افسران کی طرف سے ہی کہہ رہے ہیں اس رپورٹ کے مطابق ولید المصری نے یہ بات بھی صاف لفظوں میں کہی کہ ہم نے فوج سے مدد طلب نہیں کی تھی، بلکہ فوج نے خود ہم کو اپنی مدد کی پیش کش کی، اور ہم نے اسے خوشی سے قبول کیا۔

اس رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ فوج کے علاوہ اِن باغیوں کو پولیس اور عدلیہ کی طرف سے بھی بھرپور تعاون ملا۔

حکومت مخالف عناصر کو ملک کے اندر اور بیرون ملک سے جو زبردست مالی مدد ملی اسکی بھی کچھ تفصیل رائٹر کی اس رپورٹ سے معلوم ہوتی ہے۔جس میں خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ ''دستاویزی ثبوتوں سے اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ حسنی مبارک کی معزولی کے بعد امریکہ نے مصر میں بے چینی اور بدامنی پھیلانے کے مقصد سے مختلف مصری سیاستدانوں کی بہت بڑے پیمانے پر مالی مدد کی ،اس سب کو بیان کرنے کے بعد رپورٹ میں کہا گیا ہے:

Seems like a well organized effort to sabotage Mursi.

(اس سب سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مرسی کی حکومت کو سبوتاژ کرنے کے لئے نہایت منظم طور پر کوششیں کی گئیں۔)

اِس سلسلے میں سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ سعودی عرب ،امارات اور کویت نے بھی کھلم کھلا مصر کی جمہوری حکومت کو برطرف کرنے والے عناصر کی بھرپور حمایت کی ،اور اپنے خزانوں کے دہانے ان کی مدد کے لئے کھول دیئے ۔اب آپ کس منھ سے امریکہ اور یوروپ کی مذمت کریں گے جن کی بھرپور رہنمائی اور آشیرواد ان لادینی بلکہ صہیونیت نواز عناصر کو حاصل ہے۔ع

چوکفر از کعبہ برخیزد، کجا ماند مسلمانی

اسی ضمن میں شدید رنج وافسوس کے ساتھ یہ بات بھی نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ مصر میں دوسری بڑی اسلامی پارٹی ''حزب النور'' نے بھی جو سلفیوں کی سیاسی پارٹی ہے، غالباً خلیجی حکومتوں کے اشارے پر ،فوج کا ہی ساتھ دیا۔اور اس طرح ان شبہات کو تقویت پہنچانے کا سامان فراہم کر دیا جو ان کے بارے میں بعض حلقوں میں عرصہ سے گردش کر رہے تھے۔

کہا جا رہا ہے کہ اس حکومت نے قوم کے دوسرے طبقات کو ساتھ لینے کے بجائے ہر جگہ اپنے ہی لوگوں کو بٹھانے کا جو طرز عمل اپنایا، اسے اسی کا خمیازہ بھگتنا پڑا حالانکہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ تمام کلیدی عہدوں پر سابقہ حکومت کے کارندے ہی بیٹھے ہوئے تھے ، یہاں تک کہ صدر مرسی کی حکومت میں جو صاحبان وزارت داخلہ اور پٹرولیم وزارت کے عہدوں پر فائز تھے وہ دونوں فوج کی بنائی ہوئی موجودہ

وزارت میں بھی ان ہی عہدوں پر براجمان ہیں۔شاید صدر مرسی سے غلطی اصل میں یہ ہوئی کہ انہوں نے بے جا حسن ظن، مثبت توقعات اور نرمی وچشم پوشی سے کام لیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم ملکوں میں صرف ترکی اور قطر کی حکومتوں نے روز اول سے مصر کی جمہوری حکومت کے ساتھ تعاون کا رویہ اپنایا تھا، اور اب اس انقلاب کی مذمت میں ترکی ہی سب سے آگے ہے۔اس کی وجہ اسلامی جذبات کے علاوہ شاید یہ بھی ہے کہ ترکی بار بار خود اسی طرح کے حالات سے گزر چکا ہے۔ترکی کے قبلہ کو درست کرنے اور سماجی انصاف قائم کرنے کے راستے میں بار بار وہاں کی فوج اور عدلیہ نے رکاوٹ ڈالی ہے اور ایک لمبی جدوجہد کے بعد اب وہاں حالات قدرے بہتر ہو رہے ہیں۔امید ہے کہ مصر میں بھی بالآخر انصاف پسند طاقتیں فتح یاب ہوں گی۔اور اِن تجربوں سے ضروری سبق بھی سیکھے جائیں گے۔ہم سب کو اس سلسلے میں دعاؤں کا اہتمام بھی کرنا چاہئے۔

مندرجہ بالا سطور پر مضمون مکمل ہو چکا تھا، کہ خبریں آئیں کہ جو ہزاروں لوگ صدر مرسی کی حکومت کی غیر قانونی برطرفی کے خلاف پر امن احتجاج کر رہے تھے، ان پر فوج نے اندھا دھند گولیاں چلا کر بے شمار لوگوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔مصر کی موجودہ حکومت کی طرف سے مہلوکین کی تعداد ۶۳۸ اور زخمیوں کی تعداد تقریباً ۴ ہزار بتائی جا رہی ہے جب کہ ''اخوان'' کے مطابق مہلوکین کی تعداد ۲۶۰۰ سے اور زخمیوں کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ظلم وبربریت کی انتہا ہے!!!

اور اس سب کے باوجود اخوان کی قیادت نے اعلان کیا ہے کہ وہ احتجاج کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ہم دعا ہی کر سکتے کہ اللہ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے، ان کے حوصلوں کو بلند رکھے اور ان کو صحیح فیصلے کرنے کی توفیق دے۔

اور امید کرتے ہیں کہ اِن ہنگامی حالات سے جلد نکل کر وہ نئے سرے سے اپنی حکمت عملی بنائیں گے اور ان تجربات سے یہ سبق ضرور سیکھیں گے کہ ابھی دعوت واصلاح کا اور افراد کار کی تیاری کا بہت کام باقی ہے، خدا کرے کہ شاعرِ اسلام کا یہ پیغام ان تک پہنچ جائے کہ ؎

مل ہی جائے گی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبال
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

(۲)

مرسی حکومت کے سقوط میں امریکہ کا کردار

مولانا نور عالم خلیل امینی

[آج ۱۶/اگست ہے سہ پہر کے تین بجے ہیں، یہ شمارہ تیار کر کے ای۔میل کے ذریعہ دفتر الفرقان کو بھیجا جانے والا تھا کہ فون پر عزیزی بلال میاں نے اطلاع دی کہ محترم مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب کا ایک مضمون مصری فوجی انقلاب ہی کے بارے میں بذریعہ ای۔میل آیا ہے اور میں نے وہ آپ کو بھیج دیا ہے۔ موضوع اور مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ایک اور مضمون کی اشاعت کو آئندہ ماہ تک مؤخر کر کے اِس مضمون کو اِسی شمارے میں شائع کرنے اور ادارتی صفحات ہی میں اسے جگہ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ عاجز مولانا محترم کا تہ دل سے شکر گزار ہے ——— مدیر]

جیسا کہ عام مسلمانوں بالخصوص اسلام پسندوں کو خطرہ تھا مصری افواج کی قیادت نے بالآخر تاریخِ مصر کے پہلے جمہوری اور آئینی صدر ڈاکٹر محمد مرسی کی حکومت کے خلاف بدھ- جمعرات: ۲۳-۲۴/شعبان ۱۴۳۴ھ = ۳-۴/جولائی ÷ ۲۰۱۳ کی شب میں فوجی انقلاب برپا کر کے اُس پر شب خوں مار کر غیر قانونی طور پر اسے ختم کر دیا اور ملک کو دوبارہ سابقہ تاریکی، استبداد اور ظلم و بربریت کے عہدِ کہن کی طرف لوٹا دیا، جس سے عسکری انقلابات کا وہ تاریک دور خانۂ خیال میں گردش کرنے لگا، جن کی گذشتہ صدی کی پانچویں اور چھٹی دہائی میں کثرت رہی اور جن کی وجہ سے سارے خِطّوں بالخصوص مصری عوام کو بے شمار مصائب وجاں کاہی کا سامنا رہا، مسلم امہ کی زندگی میں سیاہ ترین صفحات کی تسوید کرنے والے ان انقلابوں نے اپنے پیچھے ظلم و جبر، قید و بند، قتلِ عام، ناقابلِ تصور عذاب دہی کے طریقوں کی مشق، عوام کی غربت کاری اور اس کے حاضر و مستقبل و خود مختاری کو مغربی صہیونی و صلیبی استعمار کے ہاتھوں فروخت کر دینے کی ایسی داستان چھوڑی ہے، جس کو پڑھ کر ہر ایک خون کے آنسو روتا رہا ہے، اُس استعمار کے ہاتھوں جس نے مسلمانوں اور عربوں کی تذلیل، تقسیم اور ہمہ جہت بربادی کے حوالے سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

مصری فوج کے سربراہِ اعلیٰ عبدالفتاح السیسی نے مرسی حکومت کے خلاف بغاوت میں قتل

وغارت گری اور کشت وخون کا وہی طریقہ اختیار کیا جو فوجی انقلابات کا وتیرہ رہا ہے، چناں چہ سارے عالم نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ کس طرح مصری فوج کے نشانہ بازوں نے سوموار ۸ر جولائی ÷ ۲۰۱۳ = ۲۸ر شعبان ۱۴۳۴ھ کو اُن پر امن مظاہرین کے سینوں اور پیشانیوں کو نشانہ بنایا جو نماز فجر کی آخری رکعت میں سر بہ سجود تھے، جس کے نتیجے میں (۷۰) ستر سے زیادہ نمازی شہید ہو گئے، جن میں سات بچے، آٹھ عورتیں شامل تھیں اور تقریباً ایک ہزار مظاہرین زخمی ہو گئے، جن میں بہت سے بعد میں فوت ہو گئے۔ مصر کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ فوج نے اپنے عوام کے سویداءِ قلب کو نشانہ بنایا، محض اِس لیے کہ وہ آئینی حکومت کے خلاف غیر آئینی عسکری انقلاب کے خلاف پر امن طور پر مظاہرہ کر کے آئینی حکومت کی بحالی کا مطالبہ کر رہے تھے۔

انقلاب کی شبِ تاریک سے اب تک مصر میں مرسی کے حامیوں کے مظاہروں، دھرنوں اور پر امن احتجاجوں کا سلسلہ شب وروز جاری ہے، اسی کے ساتھ مصری فوج اور پولس اور غیر آئینی بدبخت انتظامیہ کے ظلم وجور اور قتلِ عام کا تسلسل بھی اس طرح قائم ہے کہ نہ صرف امتِ مسلمہ؛ بل کہ نفاق پیشہ مغرب، صہیونیت گزیدہ امریکہ اور عالم کے بے دین، لیبرل، مذہب بے زار اور مصر کو اسلامی سمت میں محوِ سفر ہونے سے باز رکھنے کی کوششوں سے بے طرح خوش ہونے والے سیکولر لوگ بھی اس کی مذمت پر دھیمے لہجے میں سہی یک آواز ہونے کے لیے اپنے کو مجبور پاتے ہیں۔

شنبہ: ۲۷ر جولائی ÷ ۲۰۱۳ = ۱۷ر رمضان ۱۴۳۴ھ کو تو مصری فوج نے بربریت کی وہ تاریخ رقم کر ڈالی جس کی کھلے لفظوں میں منافقت شعار امریکہ کو بھی سخت مذمت کرنی پڑی اور مغربی اتحاد نے بھی پرزور لہجے میں اس کے خلاف اپنا احتجاج درج کرایا، قاہرہ کی ایک مسجد کے پاس پر امن طور پر دھرنے پر بیٹھے اخوان المسلمون کے حامیوں پر سیکورٹی فورسیز نے اندھا دھند گولیاں برسائیں، جس کے نتیجے میں ایک عام اندازے کے مطابق ۲۰۰ اخوانی شہید اور ۵ ہزار سے زائد زخمی ہو گئے۔ حالات وواقعات کے تسلسل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخوانیوں کی ثابت قدمی اور احتجاج ومظاہروں میں جیسے جیسے شدت آتی جائے گی، مصری قیادت کے ظلم وجبر میں اسی قدر اضافہ ہوجاتا جائے گا؛ کیوں کہ موجودہ غیر آئینی قیادت مغرب، امریکہ اور اسرائیل کی تثلیث کی منصوبہ بندی سے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ بالیقین منصوبہ کے تانے بانے میں یہ بات شامل ہوگی کہ اخوانیوں کو ماضی کی طرح؛ بل کہ اس سے زائد شدت کے ساتھ کچل

دینا ہے، دنیا چیخ چلا کے رہ جائے گی؛ لیکن جس کی لاٹھی ہے اُسی کی بھینس رہے گی اور لاٹھی کا اصل مالک اس وقت دنیا میں صہیونیت گزیدہ صلیبی امریکہ ہے جو مغربی دنیا کا طاقت ور قائد ہے۔

مصر کے فوجی انقلاب کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے والے ہر آدمی کو یہ بات بہ خوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق یہ انقلاب سخت ترین استبدادی رویّے پر گام زن ہے، قائدِ انقلاب عبدالفتاح السیسی نے جس نقشۂ راہ کا انقلاب والی شب میں اعلان کیا تھا، فوج کے طرزِ عمل سے عیاں ہے کہ وہ صرف آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے تھا، اس نے اپنے اعلان میں عوامی آزادی کی حفاظت، امن واستحکام کی سازندگی اور کسی گروہ کو انتقامی کارروائی کے طور پر ٹھکانا لگانے سے بالکلیہ اجتناب کی بات بڑے خوب صورت اور پرزور الفاظ میں کہی تھی؛ لیکن ساری دنیا کو اندازہ ہو گیا ہے کہ اس کی بات صرف ہوائی فائرنگ تھی؛ کیوں کہ اعلان کے ذرا دیر بعد ہی انتظامیہ نے ۱۶ فضائی چینلوں کو بند کر دینے کا اعلان کیا جو اخوانیوں کی خبریں نشر کرتے تھے، یا مرسی حکومت کے حوالے سے سچائی کو الم نشرح کرتے تھے، ساتھ ہی مرسی کو گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا اور ہر ایک سے ملنے پر پابندی عائد کر دی گئی، اُن سے پہلی بار منگل: ۲۰ر رمضان = ۳۰ر جولائی کو یورپی یونین کی خارجہ امور کی نمایندہ کیتھرین ایشٹن نے کسی نامعلوم مقام پر ہی ملاقات کی، جہاں انھیں محبوس رکھا گیا ہے اور جہاں کیتھرین کو ہیلی کاپٹر میں لے جایا گیا۔

نہ صرف محمد مرسی کو؛ بل کہ بہت سے اخوانیوں کو قیدِ تنہائی میں رکھ کر اُن سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے اور ٹارچر کر کے اُن سے اپنے مطلب کی باتیں کہلوائی جارہی ہیں؛ تاکہ اُن پر سخت سے سخت سزا مسلط کی جاسکے، مرسی سے بھی پوچھ گچھ کی جارہی ہے اور اُن پر ''غیر قانونی کارروائیوں'' کا الزام لگا کے اُنھیں کال کوٹھری میں رکھنے یا تختۂ دار پر چڑھانے کی تیاری کی جارہی ہے۔ یہ سب کچھ اُس ہمہ گیر منصوبے اور نقشۂ راہ کا حصہ ہے جو فوج، پولس، انتظامیہ اور عدلیہ نے اسرائیل، مغرب اور امریکہ کے مشورہ سے تیار کیا ہے، جس کا مقصد نام نہاد طویل مقدمہ چلانا، اخوانیوں کو مجرم ٹھہرانا، اُنھیں دہشت گرد ثابت کرنا، ملک وملت کے خلاف تخریبی کارروائی میں ملوث ہونا بتانا اور بالآخر اِخوانیوں اور اخوان پر ہمیشہ کے لیے دوبارہ پابندی عائد کرنا ہے۔ دنیا بھر کے اسلام پسندوں کو اندیشہ ہے کہ جمال عبدالناصر، اور اس کے شیطانی ٹولے اور اس کے پس رَوؤں کی طرح اخوانیوں پر پھر آئینی شکنجہ کسنے کو ہے اور یہ سب کچھ اُسی کی تیاری اور تمہید ہے۔ اُن کے اندیشے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بدھ ۱۷ر جولائی = ۸ر رمضان کو غیر آئینی انتظامیہ کے نام

نہاد صدر ''عدلی محمود منصور'' نے جو ۳۳ رکنی اپنی کابینہ چنی تو اُس میں سارے اخلاق باختہ یساری (بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے)، سیکولر، لیبرل، اسلام بے زار اور اللہ سے برسر پیکار ارکان چنے؛ لیکن کسی ایک اسلام پسند کو بھی اُس میں باریابی کا موقع نہیں دیا گیا، چہ جائے کہ کسی اخوانی کو۔

اس اندیشے کو اِس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مصر کے غاصب فوجی سربراہ اور غیر آئینی وزیر دفاع عبدالفتاح السیسی نے اخوانیوں کو ''دہشت گرد'' کہنا شروع کر دیا ہے، چناں چہ اس نے ۲۴ رجولائی = بدھ ۱۴ رمضان کو ایک فوجی تقریب میں ٹیلی ویژن پر تقریر میں اخوان مخالف مصریوں سے خطاب کرتے ہوے کہا کہ ''مصر میں دہشت گرد ہماری حکومت کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں، میں اُن سے پوری قوت کے ساتھ لڑنا چاہتا ہوں؛ اِس لیے مصری عوام مجھے طاقت دیں، گھروں سے نکل کر حکومت اور اُس کے فیصلوں کے حق میں سڑکوں پر بڑے بڑے مظاہرے کریں'' نیز اُس نے نہ صرف مذکورہ الفاظ کے ذریعے؛ بل کہ مندرجۂ ذیل الفاظ کے ذریعے مرسی مخالف مصریوں کو اخوانیوں کے خلاف نہ صرف بھڑکایا؛ بل کہ اُنھیں خانہ جنگی کے دعوت دیتے ہوے اخوانیوں سے بھڑ جانے کی اپیل کی: ''حکومت کے مخالفین اب بڑے پیمانے پر تشدّد اور دہشت گردی کی کارروائیاں کریں گے، اُن سے نمٹنے میں اور دہشت گردی کے خلاف لڑنے میں آپ کو حکومت کا ساتھ دینا ہے''

اسرائیل، مغرب اور امریکہ کو یہ کب گوارا ہوسکتا تھا کہ مصر کا قبلہ درست ہو اور وہ عرصے کے بعد پہلی بار اپنی غلط سمت تبدیل کر کے اپنے صحیح اور اصلی قبلے اسلام کی طرف متوجہ ہو؟ ساری عربی دنیا میں اپنے وسائل، اپنے باصلاحیت افراد اور بے پناہ امکانات سے بھرے پُرے ہونے کی وجہ سے زبردست سیاسی وزن رکھنے والے اسلامی ملک مصر میں اسرائیل کے بغل میں اسلامی رخ کی حامل ایک متحدہ و مضبوط حکومت کا قیام نہ صرف اسرائیل؛ بل کہ مغرب اور امریکہ کو کبھی گوارا نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس تثلیث کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس ملک کا، جو ساری عربی دنیا کو علمی، فکری، ثقافتی صلاحیتوں کی کمک دیا کرتا ہے، اگر قبلہ درست ہو گیا جس کا ساری دنیا کے اسلام پسندوں کو شدت سے انتظار ہے، تو یہ ساری عربی دنیا کے لیے ایک بڑی مطلوبہ اِسلامی انقلابی بنیادی تبدیلی کا پیش خیمہ ہوگا اور فلسطین پر قابض، مسجد اقصیٰ کو روندنے والے، نام نہاد ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کا خواب دیکھنے والے، نیل سے فرات تک گریٹر اسرائیل کے قیام کے لیے کوشاں رہنے والے اور اہل خانہ فلسطینیوں کو شب و روز خاک و خون میں لٹانے

والے اسرائیل کے لیے یہ یقینی موت کا بہ راہ راست اور یقینی ذریعہ ہوگا، جو ۱۹۴۸ء سے ہنوز ساری عالمی تنظیموں بالخصوص یہودی تنظیم اقوام متحدہ کی آنکھ، کان اور ناک کے سامنے فلسطینیوں پر ہمہ وقت قیامت ڈھاتا رہتا ہے۔

پیش رو اسلام بے زار مغرب کے کارندے قائدینِ مصر کے تسلسل ''حسنی مبارک'' کے ہٹائے جانے کے بعد مصر میں اُس کی تاریخ میں جو پہلا جمہوری اور شفاف انتخاب ہوا، جس کو مغرب نے اپنے پیمانے پر بھی شفاف اور جمہوری بتایا، اُس میں اِخوانیوں کو اکثریت ملی تو مغرب، امریکہ اور اسرائیل ہکا بکّا رہ گیا، اُس کو اُس وقت یہی سمجھ میں آیا کہ چوں کہ ہم لوگ پوری دنیا میں جمہوریت کی دہائی دیتے رہتے ہیں؛ اِس لیے اِس وقت اِس کو گوارا کرلیا جائے، اخوانیوں کو حکومت سازی کا موقع دیا جائے؛ کیوں کہ ابتداءً ہی اگر اِس سے اُنھیں باز رکھا گیا تو یہ ہمارے لیے بدنامی اور جگ ہنسائی کا ذریعہ ہوگا، اِس لیے بہتر ہے کہ حکومت بننے دی جائے؛ لیکن ایسا انتظام کیا جائے کہ اُس کی راہ میں ہزاروں طرح کے کانٹے اِس طرح بودیے جائیں کہ بالآخر اس کو گر جانا پڑے یا گرادیے جانے کے لیے ''وجہ جواز'' پیدا ہوجائے؛ تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ اس روشن خیال مغربی تہذیب کی دندناہٹ اور صلیبیوں اور صہیونیوں کی عالمی دادا گیری کے دور میں اسلامی حکومت کا کوئی تجربہ کام یاب نہیں ہوسکتا۔

الجزیرہ انٹرنٹ نے تفصیل سے بتایا ہے کہ اسرائیل اور امریکا کے کارندے ''عمر وموسیٰ'' نے کس طرح مرسی حکومت کو گرانے کی ذمے داری اپنے سر لی، سب سے پہلے تو یہ شخص دستور ساز کونسل سے مستعفی ہوا جو مرسی نے تشکیل دی تھی، پھر اس نے محمد البرادعی کے ساتھ مل کر مرسی کی حکومت کے خلاف زبردست تانے بانے بنے اور ساری اخوان واسلام پسند مخالف طاقتوں کو مجتمع کرنے اور امریکہ واسرائیل ومغرب اور بعض اسلامی عربی ملکوں کی مالی مدد کے ذریعے اُنھیں خرید کر سڑکوں پر اتارا اور مرسی مخالف طاقتوں سے مل کر مسلسل آگ میں گھی ڈالنے کا کام کیا۔ دوسری طرف فوج، پولس، عدلیہ، ذرائع ابلاغ وغیرہ کے محکمے بھی ان طاقتوں کے نہ صرف زبردست پشت پناہ بنے رہے؛ بل کہ اُن کی قیادت اور راہ نمائی کرتے رہے؛ کیوں کہ مصر میں یہ محکمے سال ہا سال سے کرپٹ اور برباد رہے ہیں اور دین بے زاری، اسلام دشمنی اور اسلامی اقدار سے نفرت پر اُن کی پرورش ہوتی رہی ہے، کیوں کہ مغرب کے کارندے قائدین: جمال عبدالناصر سے حسنی مبارک تک نے اُن محکموں کو ہر طرح مغرب موافق اور اسلام مخالف بنائے رکھا؛ تاکہ اُن کے اپنے ذاتی مفادات

بروئے کار آتے رہیں اور اُن کے استبدادی جبروتی عمل کا نہ صرف تسلسل باقی رہے؛ بل کہ مغرب کی پسند کے مطابق ملک وقوم کو ہر طرح کی تباہی سے دو چار کیے رہنا اُن کے لیے آسان ہو، ساتھ ہی اسلام پسندوں بالخصوص اخوانیوں کا ناطقہ بند کرنا بھی اُن کے لیے بہ سہولت ممکن رہے۔ مصری عوام دیگر اسلامی وعربی ملکوں کے عوام کی طرح اسلام کے علاوہ کسی چیز کو پسند نہیں کرتے اور وہ نہیں چاہتے کہ اُن پر مغرب کے نمایندے حکومت کریں؛ بل کہ وہ یہی چاہتے ہیں کہ اُن کے حکم راں اسلام پسند ہوں؛ تاکہ اسلامی احکام پر عمل کرنا اُن کے لیے آسان ہو، جو سراپا رحمت اور ہر طرح باعث خیر وبرکت ہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ وہاں ایک طبقہ مغرب زدہ بھی ہے اور وہاں عیسائیوں کی آبادی بھی اچھی خاصی ہے، جنھیں کسی بھی وقت مصر کے مذکورہ کرپٹ ادارے اسلام پسندوں کے خلاف استعمال کر لینے کی شان دار مہارت رکھتے ہیں۔

الجزیرہ چینل نے بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ مرسی کی قانونی حکومت کو غیر قانونی طور پر گرانے میں کس طرح امریکہ نے زبردست اور مسلسل مالی مدد کی نیز اُن عربی اسلامی ملکوں نے بھی جو امریکہ کے چشم وابرو کے اشارہ پر چلتے ہیں۔ امریکہ نے ''مشرق وسطی میں جمہوریت کے استحکام'' کے پروگرام کے تحت یہ رقم صرف کی، جس کا مقصد الجزیرہ کے بہ قول مشرق وسطی کے خطے میں اسلام پسندوں کی پیش قدمی کو روکنا رہا ہے اور سیکولر، مغرب زدہ، اسلام مخالف، لیبرل اور بائیں بازو کے اُس طبقے کی معاونت کرنا رہا ہے جنھیں امریکہ اور مغرب ''اعتدال پسند'' کہتے رہے ہیں۔ الجزیرہ نے واضح کیا ہے کہ امریکی دولت کو مصر میں پانی کی طرح بہایا گیا؛ تاکہ عوام کو تقسیم کیا جاسکے اُن کے درمیان اختلاف، انتشار اور فتنہ وفساد کو فروغ دیا جاسکے اور اُن نام نہاد ''اسلام پسندوں'' کو بھی خریدا جاسکے جن کی ''خیالی خواہشیں'' مرسی کی حکومت میں پوری نہیں ہو رہی تھیں اور جو مغرب زدوں ہی کی طرح اِحساسِ محرومی کا شکار تھے۔ الجزیرہ نے مزید کہا ہے کہ امریکہ مذکورہ مَدّ میں اُن سارے عربی ملکوں میں بے طرح مال ودولت لٹا رہا ہے، جہاں عرب بہاریہ کے تحت انقلابات آئے اور وہاں امریکہ، مغرب اور اسرائیل کی خواہش کے برعکس اسلام پسند ہی اقتدار کی کرسی تک پہنچنے میں کام یاب رہے، امریکہ کا مقصد یہ ہے کہ اسلام پسندوں کو ابتدائً اہی اقتدار تک پہنچنے نہ دیا جائے اور اگر پہنچ جائیں تو کام یاب ''حکمتِ عملی'' کے ذریعے انھیں ''تختِ اقتدار'' سے اتار کے تختۂ دار پر چڑھا دیا جائے۔

مصر میں مرسی کے خلاف جو فوجی انقلاب برپا کیا گیا، جس پر جمہوریت یا عوامیت کا لیبل لگانے کے لیے ''عدلی محمود منصور'' نام کے آدمی کو عبوری صدر بنایا گیا، وہ سراسر اسلام مخالف اور مغرب وامریکہ واسرائیل کے

مفاد میں بروئے کار لایا گیا ہے۔ یہ انقلاب سراسر اسلام اور اسلام پسندوں کے خلاف ہے اور اس مصری عوام اور دوررس طور پر ساری امتِ مسلمہ کے خلاف ہے، جس کو اسلام، محمدِ عربی.....اور اللہ کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔

۶۸ سالہ ''عدلی محمود منصور'' نامی ہنگامی صدر کے مذہب کے تعلق سے مصر میں خاصی ہلچل رہی؛ کیوں کہ یہ آدمی مغرب زدہ اور دین بے زار ہی نہیں؛ بل کہ لامذہب سا آدمی ہے، اس نے کئی بار اپنے آپ کو عیسائی شو کرنے کی کوشش کی، اس کی صدارتی تقریب میں بھی پوپ ''تواضروس'' نے شرکت کی جس سے مصر کے عیسائیوں کو بہت خوشی ہوئی، مصر میں عیسائی لوگ عموماً ''عدلی'' کا سابقہ اپنے ناموں کے ساتھ لگاتے ہیں، وہ اپنی شکل وصورت سے بھی ایک بے دین یا بت پرست یا عیسائی سا لگتا ہے۔ حیدرآباد کے مشہور اردو روز نامہ نے ۷ رجولائی ÷ ۲۰۱۳ = اتوار ۲۷ رشعبان ۱۴۳۴ھ کے اپنے شمارہ نمبر ۱۸۷ جلد نمبر ۳۷ کے صفحہ ۲ پر اس شخص کے تعلق سے دستاویزی تحقیق پیش کی ہے، جس میں الجزیرہ خبر رساں ایجنسی کے مشہور اخبار نویس احمد منصور کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ یہ شخص یہودی ہے اور یہ یہودیوں کے ''فرقۂ سبتیہ'' سے تعلق رکھتا ہے۔

الغرض موجودہ فوجی انقلاب نہ صرف جمہوریت پر شب خوں ہے؛ بل کہ اسلام پسندوں کو ختم کرنے اور مصر کو اپنی اسلامی سمت متعین کرنے کی راہ روکنے کی ظالمانہ کوشش ہے، جس کی ہر باغیرت وباضمیر مسلمان نے مذمت کی ہے، اِسی لیے مصر کے اسلام پسندوں نے فوج، پولس، عدلیہ اور انتظامیہ کی طرف سے ہر طرح کے کشت وخون کے عمل کو برداشت کرتے ہوئے اس ظلم وجبروت کے خلاف لوہا لینے کی ٹھان رکھی ہے۔ اُن کے دھرنے، احتجاج، مظاہرے اور مارچ پرامن ہوتے ہیں؛ لیکن فوج اور پولس نہ صرف طاقت سے اُنھیں کچل رہی ہے؛ بل کہ اخلاق باختہ مغرب زدہ لیبرل یساری سارے اسلحوں کے ذریعے ان پر حملہ آور ہورہے ہیں۔ اخوانیوں کی تاریخ قربانیوں، شہادتوں، قید وبند کی مصیبتوں، مقدمات درمقدمات کے نہ ختم ہونے والے سلسلوں کو جھیلنے اور مصائب سے کھیلنے سے عبارت رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدائے حکیم اُنھیں مزید کندن بنانے کے لیے شاید اُنھیں اور امتحانوں سے گزارنا چاہتا ہے؛ لیکن وہ مایوس نہیں ہیں، نہ اُنھیں ہونا چاہیے کہ اللہ کی رحمت ونصرت سے صرف کفار مایوس رہا کرتے ہیں۔

لیکن ظالموں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا؛ اس لیے دیر یا سویر (اس کی مشیت کے مطابق) اسلام پسندوں کو ضرور غلبہ حاصل ہوگا اور عمرو بن العاصؓ کے مصر کو اپنی سمت میں محوِ سفر ہونے کا موقع ضرور ملے گا۔ ''اور اللہ کو اپنے معاملے پر قابو ہے؛ لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں'' (یوسف/۲۱)

☆☆☆

ماہنامہ الفرقان کے خریداروں سے ایک اہم گذارش

''خریداری نمبر'' اور ''مدت خریداری'' سے متعلق

☆ کیا آپ کو اپنا خریداری نمبر (Subscription No.) اور آپ کی مدتِ خریداری (Subscription validity) معلوم ہے؟؟؟؟ اگر نہیں تو فوراً معلوم کریں، اور اسکو نوٹ کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیں۔۔۔۔ اسی طرح مدتِ خریداری کب ختم ہو رہی ہے؟ اس بات کو بھی محفوظ کر لیں؛ تاکہ آپ مدت خریداری کے ختم ہوتے ہی زرِتعاون فوری طور پر بغیر کسی تاخیر کے ارسال کر سکیں۔۔۔۔۔

''زرِتعاون'' ارسال کرنے اور VP سے متعلق

☆ مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی جلد از جلد بلا تاخیر اپنا چندہ روانہ فرما دیں۔۔

☆ اگر آپ بذریعہ منی آرڈر اپنا زرِتعاون بھیج رہے ہیں، تو پیغام کی جگہ پر اپنا پورا پتہ صاف صاف لکھیں، پن کوڈ ضرور درج کریں، ساتھ ہی ساتھ فون نمبر بھی لکھیں، جو حضرات EMO (Electronic money order) کے ذریعہ زرِتعاون ارسال کرتے ہیں وہ حضرات اپنا خریداری نمبر ضرور ارسال فرمائیں، کیونکہ EMO میں پتہ پرنٹ ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے اپنا خریداری نمبر ضرور درج کر دیں۔ تاکہ آپ کو VP کے ذریعہ رسالہ نہ روانہ کیا جائے۔۔۔ کیونکہ تاخیر کی صورت میں اگر اطلاع نہیں کی گئی تو مقررہ تاریخ میں رسالہ بذریعہ VP روانہ کر دیا جائے گا، اِس بیچ اگر آپ نے زرِتعاون بھیج دیا، اور VP بھی یہاں سے روانہ ہو چکی، تو VP کے مزید Rs.35 آپ پر بار ہوگا، اور اگر آپ نے VP واپس کر دی تو الفرقان کو فی شمارہ Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے۔

☆ اگر کسی وجہ سے مدتِ خریداری کے ختم ہوتے ہی آپ زرِتعاون ارسال نہیں کر پائے، اور تاخیر کی اطلاع بھی دفتر میں نہیں کر سکے، تو فوری طور پر آفس فون کر کے اپنا خریداری نمبر بتا کر معلوم کر لیں کہ میرا رسالہ بذریعہ VP روانہ ہو چکا یا نہیں؟ اگر نہیں! تو فوراً اپنا تعاون ارسال فرمائیں۔۔۔ اگر VP روانہ کی جا چکی ہے تو اب صرف VP کا انتظار فرمائیں۔ اور VP پہونچنے پر اسکو ضرور حاصل کر لیں، واپس نہ کریں تاکہ آپ کی وجہ سے ادارۂ الفرقان کا نقصان نہ ہو۔

☆ اگر آپ نے صحیح وقت پر زرِتعاون روانہ کر دیا، مگر کسی وجہ سے وقت پر وہ الفرقان نہیں پہونچا، یا اسکی اطلاع الفرقان نہ پہونچ سکی، اور الفرقان سے VP آپ کو روانہ کر دی گئی، تو ہماری درخواست ہے کہ آپ اُس VP کو وصول فرما لیں، اس صورت میں آپ کی مدت خریداری میں دو سال کا اضافہ ہو جائے گا۔ البتہ آپ VP واپس کرنے میں حق بجانب تو ہوں گے، مگر بہر حال الفرقان کو Rs.40 کا نقصان ہوگا۔

غیر ضروری سمجھ کر آپ اس صفحہ کو نظر انداز نہ کریں،

ـــــــــ ناظم شعبہ رابطۂ عامہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

محفل (۱۲۹) سورۃ المائدۃ (۷)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ

اللہ کے ''چہیتے'' اپنی عملی زندگی کے آئینہ میں!

''موسیٰ! تم اور تمہارا رب جاکے لڑو، ہم تو آگے نہیں جانے والے''

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا ۖ وَّاٰتٰىکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْہَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَہَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْہَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْہَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَہَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْہَا فَاذْہَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْہِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ۚ یَتِیْہُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو اللہ کے وہ احسانات اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں نبی اس نے پیدا کئے، صاحبِ سلطنت تم کو بنایا اور وہ کچھ تمھیں عطا کیا کہ کسی اور کو دنیا والوں میں نہیں عطا ہوا تھا (۲۰) اے برادرانِ قوم چلو داخل ہو جاؤ اس مقدس سرزمین میں جو تمہارے لئے اللہ نے لکھدی ہے اور دیکھو پیچھے کو نہ پھرو کہ نامرادی میں جا پڑو (۲۱) وہ بولے کہ اس سرزمین میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں اور ہم اس میں اس وقت تک ہرگز نہ داخل ہوں گے جب تک وہ لوگ نہ اس میں سے نکل جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل جائیں تو بے شک ہم داخل ہو جائیں گے (۲۲) دو آدمیوں نے اُن میں سے جو کہ ڈرنے والے تھے (اور) اللہ کا فضل ان پر ہوا کہا کہ دیکھو چڑھائی کر کے دروازے تک تو چلو اور پھر جو تم اس میں داخل ہو گئے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور دیکھو تم مؤمن ہو تو بھروسہ اللہ پر رکھو (۲۳) (لیکن) انھوں نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تو ہرگز وہاں قدم اس وقت تک نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں ہیں۔ تم اور تمہارا رب جاؤ اور جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں (۲۴)

موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب میرا کوئی بس اپنے اور اپنے بھائی کے ماسوا پر نہیں ہے۔ پس اب تو ہی ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان فیصلہ کر دے (۲۵) فرمایا: اچھا تو پھر یہ سرزمین ان پر حرام کی جاتی ہے چالیس برس کے لئے (اور) بھٹکتے یہ (اتنا عرصہ) رہیں گے اسی سرزمینِ (بیابان) میں۔ پس اب تم ترس ان نافرمانوں کے حال پر نہ کھائیو (۲۶)

ربطِ کلام

اوپر کی آیتوں میں بنی اسرائیل کی بڑھک آئی تھی کہ ہم تو اللہ کے پیارے دُلارے ہیں، ہمیں عذاب ثواب سے کیا ڈرانا؟ بظاہر اسی مناسبت سے ان کی تاریخ کا یہ شرمناک واقعہ یاد دلایا گیا ہے جس میں وہ اپنا منہ خود بھی دیکھ لیں اور دوسروں کے لئے بھی کسی دھوکہ کی گنجائش نہ رہے۔

بنی اسرائیل اصلاً اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ سے ارضِ شام میں فلسطین کے باشندے تھے۔حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ پیش آنے پر یہ پورا خاندان مصر میں جا بسا اور ایک خاندان سے پوری ایک قوم رفتہ رفتہ بن گیا، پھر فرعونوں کی غلامی کا لمبا دوران پر وہاں گزرا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے ختم ہوا۔سورۂ بقرہ میں اس کا کافی حوالہ گزر چکا ہے۔حضرت موسیٰ کی قیادت میں اللہ نے ان کو فرعونیوں سے نجات دلا کر اُسی ارضِ مقدس کی راہ پر ڈالا جو ان کے آباء واجداد کا وطن تھا کہ یہ دوبارہ وہیں آزادانہ زندگی کا ڈول ڈالیں۔لیکن یہ سرزمین خالی تو نہیں پڑی تھی کہ جا کر بسیرا کر لیں، وہاں دوسری قومیں بسی ہوئی تھیں۔ان قوموں سے انھیں نبرد آزما ہونا تھا، البتہ یہ اللہ کی طرف سے وعدہ تھا کہ تم ہی غالب رہو گے، کہ زمین تو سب اللہ کی ہے وہ جسے اس کا جو حصہ چاہے بخش دے۔اور اس سرزمین کی خصوصیت کچھ ایسی ہی تھی جیسی سرزمینِ مکہ کی، کہ وہ تقدّس اس کو ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے عطا ہو گیا ہے کہ اہلِ توحید ہی کے قبضہ میں مآل کار اُسے رہنا ہے، یہ ان ہی کی میراث ہے۔پس یہ لوگ جب صحرائے سیناء عبور کرتے ہوئے اس سرزمین کے قریب پہنچے اور اب وقت آیا کہ چڑھائی کی جائے تو یہ اس وقت کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ کے ان ''چہیتوں'' نے اپنے اللہ پر بے اعتمادی کا، اس کے رسول کی بات سن کر نہ دینے کا اور بزرگوں کی روح کو شرمانے والی بزدلی و نامردی کا کیا مظاہرہ کیا تھا۔اور پھر کیسے خوار اللہ اور رسول کی نظر میں ہوئے۔

واقعہ کی تفصیل بائبل میں

واقعہ کی تفصیل جاننے کے لئے ہمیں بائبل کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔کتاب ''گنتی'' کے باب ۱۳ میں ہے کہ:

> ''خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو آدمیوں کو بھیج کہ وہ ملک کنعان کا جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں حال دریافت کریں۔ان کے باپ دادا کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی بھیجنا جو ان کے ہاں کا رئیس ہو۔''

آگے تفصیل ہے کہ حضرت موسیٰ نے فلاں فلاں بارہ سردارانِ قبائل بھیجے اور ان کو بڑی تفصیلی ہدایات دیں کہ کیا کیا دیکھنا ہے۔یہ لوگ چالیس دن میں اپنا کام مکمل کر کے لوٹے اور مکمل رپورٹ لائے کہ ملک کے مختلف علاقوں کا کیا کیا حال ہے۔کس علاقے میں کون لوگ ہیں۔کیا خصوصیت کس علاقے کی ہے

،کیسی زمینیں ہیں، کیسی پیداوار اور کیا کیا پیدا ہوتا ہے۔ رپورٹ مجموعی طور پر بہت پرکشش تھی، صرف ایک بات ایسی تھی جس میں اللہ اور رسول پر اعتماد کی آزمائش تھی۔ مگر، قوم تو قوم ان بارہ سرداروں میں بھی بائبل کے بیان کے مطابق صرف دو ہی ایسے نکلے جنھوں نے اسے اہمیت نہ دینی چاہی، نیز چاہا کہ قوم کے عام لوگوں تک وہ نہ پہنچے، پر باقی دس کے لئے وہی اہم ٹھہری، اور اسے وہ قوم تک پہنچائے بغیر نہ رہے، جو یہ تھی کہ

''وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب بڑے قدآور ہیں اور ہم نے وہاں بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔''

سرداروں کے منہ سے یہ بات سن کر جو حال قوم کا ہونا تھا وہ ظاہر ہے۔ باب ۱۴ میں یہ حال ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

''تب ساری جماعت زور زور سے چیخنے لگی اور وہ لوگ اس رات روتے ہی رہے اور کل بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون کی شکایت کرنے لگے اور ساری جماعت ان سے کہنے لگی ہائے کاش ہم مصر ہی میں مرجاتے۔ یا کاش اِس بیابان ہی میں مرجاتے۔ خداوند کیوں ہم کو اس ملک میں لیجا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے۔۔۔۔''

یہ ہے مذکورہ قرآنی بیان کا پس منظر جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ایسی آخر کیا بات تھی کہ حضرت موسیٰ کو اتنا زور لگانا پڑ رہا تھا اور قوم تھی کہ پھر بھی ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں! پتہ چلا کہ بات کچھ بہرحال تھی، اگرچہ ایسی بالکل نہ ہو کہ حضرت موسیٰ کا اتنا زور لگانا بھی بے اثر رہ جائے۔ قرآن یہ سب جو بائبل میں ہے اسے نہیں بیان کرتا تو اس لئے کہ اس کا مقصد قصہ سنانا نہیں بلکہ جن کا قصہ تھا انھیں بس ایک اشارہ کرکے یاد دلانا تھا کہ جس پیغمبر کے طفیل مدتوں کی غلامی کے بعد آزادی اور پھر ملک و مال کی نعمت انھوں نے پائی خود اس پیغمبر کے زمانہ میں بھی کیا حال ان کی خودسری کا رہ چکا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے کیسی کیسی پھٹکار و دھتکار کا نشانہ یہ نحنُ ابنآؤُا اللہِ واَحِبّآئہٗ کہنے والے بنتے رہے ہیں۔

واقعہ کا قرآنی بیان

اب آیئے قرآنی آیات کی طرف واپس چلیں۔ مصر سے خروج کے بعد دشتِ فاران نامی علاقے

میں بنی اسرائیل کے پہنچنے کا یہ موقع بتایا گیا ہے جہاں سے حضرت موسیٰ نے اپنا تحقیقی وفد ارضِ فلسطین کی طرف روانہ کیا۔ اب صاف طور پر یہ وفد کی رپورٹ والا قصہ پیش آنے کا موقع ہے جب حضرت موسیٰؑ قوم کا یہ حال دیکھ کر کہ وہ تو آگے نہ بڑھنے کی قسم کھا بیٹھی ہے وہ تقریر فرماتے ہیں جس کا اشارہ قرآن دیتا ہے کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے، اللہ کے فضل واحسان کا جو یگانہ معاملہ تمھارے ساتھ آباء واجداد کے وقت سے ہوتا آیا ہے کہ نبوت تمھیں بخشی جو دینی سیادت تھی، اور ایسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو یہ سلسلہ شروع ہوا تو پھر نسل در نسل چلتا ہی رہا۔ سلطنت وحکومت بھی تمھیں بخشی، کہ تیسری ہی نسل میں یوسف بنِ یعقوب (علیہما السلام) کے ذریعہ مصر جیسے عظیم ملک کی فرمانروائی تمہارے ہاتھ میں آئی۔ اور اس کے سوا بھی کیا کچھ تمھیں نہیں دیا، پھر بھی اللہ کے وعدوں پر تمھیں بھروسہ نہیں؟ یہ سرزمینِ کنعان جس کی طرف بڑھنے کے لئے تم سے کہا جا رہا ہے یہ تو اللہ کی طرف سے تمہارے نام لکھدی گئی ہے۔ (کَتَبَ اللّٰہُ لَکُم) پھر کون طاقت تمھیں وہاں غلبہ اور قبضہ سے روک سکتی ہے؟ مگر یہ خدا کے چہیتے پن کا دعویٰ رکھنے والے اس پر کہہ رہے تھے کہ موسیٰ وہاں تو بڑے زور آور لوگ بستے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے تو وہاں ہم ہرگز نہیں جانے والے۔ ہاں وہ وہاں سے نکل جائیں تو بے شک چلے جائیں گے۔

تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کریں، ہمیں نہیں جانا!

حضرت موسیٰؑ کے علاوہ ان بارہ سرداروں میں سے بھی دو نے بہر حال اللہ کی توفیق سے وہی کہا جو بندۂ مؤمن کو کہنا چاہئے کہ دیکھو ہمت کرو، اللہ کا جب وعدہ ہے تو وہ ''جبّار'' بھی تمھارے سامنے ٹِک نہ سکیں گے۔ پر ہمت تو ایک دفعہ اللہ کے بھروسہ پر دھاوا بولنے کی کرو۔ مگر خوف و بے ہمتی سے لرزاں قوم کا جواب پھر وہی تھا۔ یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا ۔۔۔ ہم تو کبھی بھی اس میں داخل ہونے والے ان کی موجودگی میں نہیں ہیں۔ اور تمھیں اتنا ہی اصرار ہے تو پھر تم جاؤ اور تمھارا رب، اور ان سے جنگ کرو۔ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ! ہم تو نہیں یہاں سے آگے جا رہے۔

یہ نوبت آئی تو اللہ کا پیمبر جو اَب تک ان کی ساری اُلٹی سیدھی میں ان کے لئے اللہ کے غضب سے ڈھال ہی بنتا آ رہا تھا اس کا پیمانۂ صبر بھی جواب دے گیا۔ اللہ کے حضور عرض پرداز ہوا کہ پروردگار! میں اس قوم کی ذمہ داری سے ہاتھ اُٹھاتا ہوں۔ میرا اختیار اپنے سوا بس اپنے بھائی پر ہے۔ پس تو اب فیصلہ ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فرمادے۔ جواب آیا کہ ''اچھا پھر یہ موعودہ سرزمین اب چالیس برس کو ان پر

حرام کی جاتی ہے۔ یہ اتنے عرصہ اب اسی صحرائی سرزمین میں بھٹکتے رہیں گے۔'' اور پھر ایسا ہی ہوا۔ کتابِ گنتی اللہ کا یہی فرمان اور چالیس سال کے لئے ان کا یہ انجام آگے نقل کرتی ہے۔ یہ البتہ اس میں نہیں ہے کہ ایسا موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر ہوا۔ چالیس سال کا یہ عرصہ پورا ہونے تک خود حضرت موسیٰ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ارضِ موعود میں بنی اسرائیل کو داخلہ آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نونؑ کی قیادت میں ملا۔ اور یہ، بائبل کے بیان کے مطابق اُن دو نیک بختوں میں سے ایک تھے جن کا حوالہ 'قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ۔۔۔۔'' کے الفاظ سے اوپر کی آیات میں آیا ہے۔

چند وضاحت طلب باتیں

(۱) حضرت موسیٰ کا قوم سے خطاب نقل فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ نے تم میں نبی اُٹھائے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور وہ کچھ بخشا جو دنیا میں کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا۔'' اس ارشاد میں نبوّت کے حوالہ سے فرمائی گئی بات تو بالکل صاف ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ نبوت گویا بنی اسرائیل کی میراث بنادی گئی تھی۔ یکے بعد دیگرے انبیاء اس میں اُٹھائے جاتے رہے، لیکن بادشاہت کے سلسلہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ ''اور تم میں بادشاہ بنائے''۔ جس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبوت کی طرح بادشاہت کا بھی کوئی سلسلہ یکے بعد دیگرے کا چلا۔ اور حضرت موسیٰؑ سے پہلے ایسے کسی سلسلہ کا پتہ چلتا بھی نہیں تاہم بادشاہت کا بھی اعزاز ملنے کی کوئی صورت ضرور کبھی رہ چکی ہوگی، جس کی بنا پر کہا گیا ''وَجَعَلَکُمۡ مُلُوۡکًا'' (اور تمھیں بادشاہ بنایا) تو وہ صورت کیا تھی؟ ہماری عربی اردو تفاسیر میں اس کے کئی جواب ملتے ہیں۔ بعض کے مطابق یہ مجازی تعبیر ہے مثلاً ''خودمختاری'' مراد ہے، جو مصر کی غلامانہ زندگی سے آزادی کے بعد اس قوم کو حاصل ہوگئی تھی۔ بعض کے نزدیک بادشاہت حقیقی معنیٰ میں ملی تھی۔ اور وہ اس طرح کہ فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو ڈبو کر اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے راستہ صاف کر دیا کہ پلٹ کر مصر کے حاکم بن جائیں۔ اور یہی ہوا، اسی کو قرآن نے سورۂ شعراء (۲۶:۵۹) میں صراحۃً ''وَاَوۡرَثۡنٰہَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'' کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

یہ حقیقی معنیٰ میں بادشاہت والی تفسیر قدرتی طور پر مقدم تھی، کہ لفظ کے حقیقی معنیٰ مقدّم ہوتے ہیں۔ مگر یہ واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر پھر پیچھے کو نہیں پلٹے تھے۔ ان کا رخ فلسطین کی طرف رہا تھا جس کی دلیل کے لئے سورۂ مائدہ کی یہ زیرِ بحث آئتیں ہی کافی ہیں۔ رہی سورۂ شعراء کی آیتِ وراثت تو اس کے واقعی مفہوم کی وضاحت سورہ اعراف (۷:۱۳۷) سے ہوجاتی ہے کہ وہ وراثت

ارضِ فلسطین ہی کی وراثت ہے۔ رہا مجازی مفہوم، تو اس کے لئے ہمیں مذکورہ بالا محمل سے کہیں زیادہ اچھا محمل حضرت یوسف علیہ السلام کی بادشاہتِ مصر میں ملتا ہے۔ قرآن خود حضرت یوسف کی زبان سے ان کی بادشاہت کی شہادت دیتا ہے "رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْاَحَادِيْث (پروردگار تو نے عطا کی مجھے بادشاہت اور باتوں کی حقیقت فہمی) اور اس وقت حضرت یوسفؑ کے مختصر خاندان (باپ بھائیوں) ہی کا نام بنی اسرائیل تھا۔ اس لئے حضرت یوسف بادشاہ تھے تو محاورہ کی زبان میں بنی اسرائیل کا ہر فرد بادشاہ تھا۔

الغرض، یہ حقیقی معنیٰ کی بادشاہت سے قریب ترین بادشاہت ہے جو اُس وقت کی قومِ بنی اسرائیل کو حاصل تھی۔ اور یہ نکتہ بھی یہاں فراموش نہ ہونا چاہئے کہ کسی قوم کی من حیث القوم بادشاہت (جس کا تقاضہ قرآنی الفاظ کر رہے ہیں) دوسروں ہی کے ملک میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ مصر تھا۔ واللہ اعلم۔

(۲) چوتھی آیت (۲۳) میں انُ دو پکّے آدمیوں کے ذکر میں جو قوم کو حرکت میں لانے کی کوشش میں حضرت موسیٰ کے ہم زبان رہے فرمایا گیا ہے: اور وہ دو آدمی جو ڈرنے والوں میں سے تھے (۔۔۔ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ) یہاں یہ بات واضح نہیں ہو رہی ہے کہ کن ڈرنے والوں میں سے یہ لوگ تھے؟ اس قصہ کی تفصیل میں بائبل کے حوالہ سے بارہ سردارانِ قوم کا ذکر آتا ہے جو تحقیقِ حال کے لئے ارضِ فلسطین کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور یہ کہ ان میں سے دس وہاں کے باشندوں سے مرعوب اور خائف ہو کر لوٹے اور قوم کو بھی خائف کیا بس دو تھے جو پکے اہلِ ایمان کی طرح مضبوط رہے۔ اور انہی دو کو ہمارے اہلِ تفسیر نے قرآن کے "رَجُلَانِ" کا مصداق مانا ہے۔ پس بظاہر تو یہی دس خوف زدہ افراد ہیں جن کو ڈرنے والے (اَلَّذِيْنَ يَخَافُونَ) بتایا جا رہا ہے جو ان دو نیک بختوں کے ساتھی تھے۔ مگر اہلِ تفسیر نے عام طور پر یہاں یہ لوگ نہیں بلکہ اللہ سے ڈرنے والے لوگ مراد سمجھے ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

(۳) آیت ۲۴ میں قوم کا قول آیا ہے: اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا۔۔۔ (موسیٰ تم اور تمہارا رب جائیں اور جنگ کریں۔۔۔) یہ الفاظ اپنے حقیقی معنیٰ میں بھی ہو سکتے ہیں اور محض اظہارِ بیزاری بھی ان کا مطلب ہو سکتا ہے۔ جیسے کوئی کہہ رہا ہو زیادہ کان نہ کھاؤ، ہمارا پیچھا چھوڑو۔ اس قوم کے حالات میں کوئی بات بھی اس سے بعید نہیں رہ گئی تھی اور یہ جس درجہ کی گستاخی اللہ اور اس کے رسول کے حضور تھی اس کے بعد حضرت موسیٰ کے لئے ظاہر ہے اس کے سوا کچھ نہ رہ جاتا تھا کہ اللہ کے سامنے اپنی آخری درجہ کی بے بسی کا

اظہار کریں۔ چنانچہ ان دو مؤمن بندوں کا نام بھی اگر اپنے بھائی کے ساتھ اس موقع پر جو آپ کی زبان پر نہ آیا جو ثابت قدم رہے تھے وہ بھی احساسِ بے بسی کی اسی شدّت کا نتیجہ بظاہر تھا، ورنہ وہ دونوں ان لوگوں میں ہرگز نہیں تھے جن کے بارے میں آپ نے اللہ سے فیصلہ چاہا۔

(۴) ''فیصلہ چاہنا'' جن الفاظ کا مطلب لیا گیا ہے۔ (یعنی فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ) لغوی اعتبار سے ان الفاظ کا مطلب جدائی اور علاحدگی کر دینا ہے۔ اور جو کچھ بنی اسرائیل اس موقع پر کر رہے تھے اس کا ردِّعمل حضرت موسیٰ پر اس خواہش کی صورت میں ہونا بالکل قدرتی بھی تھا کہ اس قوم سے اب کوئی واسطہ نہ رہے۔ مگر حضرت یونس علیہ السلام کی بات شاید یاد آئی ہوگی، کہ وہ ناراضگی میں بغیر اذنِ الٰہی کے قوم سے رشتہ توڑ کر چلے گئے تو عتاب کا شکار ہوئے تھے۔ پس از خود اقدام کے بجائے اللہ سے طالبِ اذن ہوئے، تو جواب اس خواہش کی منظوری کی صورت میں تو نہ ملا البتہ ایک لمبی سزا کا حکم قوم کے لئے ہوگیا، کہ اسی صحرا میں چکر کاٹا کریں۔ پر سزا ایسی تھی کہ حضرت موسیٰؑ پر بھی بھاری پڑ جائے، اگرچہ حکمتِ حق میں ضروری قرار پائی ہو۔ غالباً اسی لئے آگے حضرت موسیٰ سے فرمایا جا رہا ہے: اب ان پہ جو گزرے گی گزرے گی تم ترس نہ کھانے لگنا کہ کچھ تخفیف کے لئے ان کے حق میں کہو۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔

☆☆☆

آن لائن ماہنامہ الفرقان Online Monthly Alfurqan

آپ الفرقان کا تازہ شمارہ نیز اسکے پچھلے سالوں کے شمارے انٹرنیٹ پر بطور E-Magazine ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

www.taubah.org پر جا کر الفرقان والی Window پر کلک کریں، اس ویب سائٹ پر مدیر الفرقان حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ کے مختلف، دینی، علمی، اصلاحی بیانات، اور حالیہ تفسیر قرآن (چنندہ) بھی سُن سکتے ہیں۔

ہر ماہ کا تازہ شمارہ اس مہینہ کی ۲۰ تاریخ کے بعد Upload کیا جاتا ہے۔

مولانا زاہد الراشدی ✶

دورِ حاضر کے علمی سوالات اور ہماری ذمّے داری

علم العقائد اور علم الکلام کے حوالے سے اس وقت جو مواد ہمارے ہاں درس نظامی کے نصاب میں پڑھایا جاتا ہے، وہ اس بحث ومباحثہ کی ایک ارتقائی صورت ہے جس کا صحابہ کرامؓ کے ہاں عمومی دور میں کوئی وجود نہیں تھا، اور اس کا آغاز اس وقت ہوا جب اسلام کا دائرہ مختلف جہات میں پھیلنے کے ساتھ ساتھ ایرانی، یونانی، قبطی اور ہندی فلسفوں سے مسلمانوں کا تعارف شروع ہوا اور ان فلسفوں کے حوالے سے پیدا ہونے والے شکوک وسوالات نے مسلمان علماء کو معقولات کی طرف متوجہ کیا۔

ابتدائی دور میں عقیدہ صرف اس بات کا نام تھا کہ قرآن کریم نے ایک بات کہہ دی ہے یا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات ارشاد فرما دی ہے، بس اسی کو بے چون وچرا مان لینے کا نام عقیدہ ہے۔ ان عقائد کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کو اس سے زیادہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کہ قرآن کریم نے یا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بات فرما دی ہے اور نہ ہی انہیں اس بات سے کوئی غرض ہوتی تھی کہ وہ بات ہماری عقل وفہم کے دائرے میں آتی ہے یا نہیں یا ہمارے محسوسات ومشاہدات اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں اور وہ ان باتوں سے بے نیاز ہو کر قرآن وحدیث کی تصریحات پر ایمان رکھتے تھے بلکہ معقولات کے حوالے سے عقائد پر بحث ومباحثہ کو بھی پسند نہیں کیا کرتے تھے۔ البتہ بیرونی فلسفوں کے در آنے سے جب عقلی سوالات کھڑے ہوئے اور علمائے اسلام کو ان سوالات کے جواب میں اسلامی عقائد کی وضاحت کی

✶ رئیس التحریر، ماہنامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ (پاکستان)

ضرورت پیش آئی تو صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں اس قسم کے مباحثوں کا آغاز ہوا اور تابعین و اتباع تابعین کے دور میں ہمیں یہ مباحث اپنے عروج پر نظر آتے ہیں۔

معقولات کے حوالے سے جب عقائد کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مباحثہ شروع ہوا تو ایک دور تک اس کے مسائل کی نوعیت اس طرح تھی کہ اللہ تعالی کی رؤیت ممکن ہے یا نہیں؟ اللہ تعالی کی ذات اور اس کی صفات کا باہمی تعلق کیا ہے؟ قرآن کریم اللہ تعالی کی صفت ہے یا اس کی مخلوق ہے؟ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے کوئی مسلمان ایمان کے دائرے سے نکل جاتا ہے یا نہیں؟ جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوجانے ان کی نیابت امامت کے حوالے سے ہوگی یا خلافت کے عنوان سے ہوگی؟ وغیر ذلک۔ اس دور میں اس علم یا فن کو ''فقہ'' کا حصہ تصور کیا جاتا تھا اور فقہ صرف احکام وقوانین تک محدود نہیں ہوتی تھی، بلکہ ایمانیات یعنی عقائد اور وجدانیات یعنی تصوف وسلوک بھی فقہ ہی کے شعبے شمار ہوتے تھے، چنانچہ عقائد پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کا رسالہ'' الفقہ الاکبر'' کہلاتا ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ عقائد کے اس عقلی مباحثے کو علم التوحید والصفات، علم النظر والاستدلال اور علم اصول الدین بھی کہا جاتا تھا۔ چونکہ ان مسائل پر عام طور پر بحث ومباحثہ ہوتا تھا اور اس مباحثہ میں معتزلہ پیش پیش ہوتے تھے، اس لئے شہرستانی کے بقول سب سے پہلے معتزلہ نے اسے ''علم الکلام'' کا نام دیا، مگر اہل سنت کے اکابر علماء نے اسے پسند نہیں کیا، چنانچہ اصول فقہ کی متداول کتاب ''التوضیح والتلویح'' کے محشی نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالی عمرو بن عبید کو تباہ کرے کہ اس نے کلام کا دروازہ کھولا ہے، امام ابو یوسفؒ نے فتوی دیا کہ متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں، امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی مذمت کی اور امام شافعیؒ نے اسے شرک کے بعد بدترین برائی سے تعبیر کیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ بحث ومباحثہ آگے بڑھتا گیا اور ان علمائے اسلام نے بھی جو اس بحث و کلام کو پسند نہیں کرتے تھے اسلامی عقائد کی عقلی وضاحت اور اثبات کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے اپنے علمی معمولات میں شامل کرلیا، چنانچہ علم الکلام کے نام سے ایک پورا نصاب ہمارے دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث کے بیان کردہ عقائد پر عقلی بحث ومباحثہ اور ان کی عقلی توجیہات وتعبیرات کے نتیجے میں اس دور میں جو فرقے وجود میں آئے ان میں معتزلہ، جبریہ، قدریہ، مرجئہ، خوارج، اہل تشیع اور اہل سنت وغیرہ کے نام معروف ہیں۔ ان میں سے اہل سنت اور اہل تشیع اب تک اپنے پورے تعارف کے ساتھ موجود چلے آرہے ہیں جب کہ باقی فرقوں کا اپنے نام اور تعارف کے ساتھ وجود نظر نہیں آتا، البتہ ان کے ذہن اور سوچ کا انداز مختلف حوالوں سے اب بھی اس سابقہ تعارف اور تشخص کے بغیر امت میں پایا جاتا ہے۔

ان میں سے اہل السنۃ والجماعۃ خود کو امت کا اجتماعی دھارا قرار دیتے ہیں جن کی بنیاد دو اصولوں پر ہے: ایک یہ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینیات بالخصوص عقائد کی کیا صورت ارشاد فرمائی ہے اور دوسری یہ کہ صحابہ کرامؓ نے اجتماعی طور پر اسے کیسے سمجھا ہے؟ اہل سنت کے نزدیک یہی وہ دو معیار ہیں جن کی بنیاد پر عقیدہ سمیت دین کی کسی بھی بات کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے مقدمہ میں اہل سنت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل سنت وہ ہیں جو قرآن کریم اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر اسی صورت میں ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ انھوں نے فرمایا اور وہ ان ارشادات کی عقلی توجیہ کو ضروری نہیں سمجھتے اور نہ ہی عقلی توجیہ وتعبیر کو قرآن وسنت کے کسی فرمان پر یقین کا معیار تصور کرتے ہیں، البتہ جہاں کسی عقیدہ کی وضاحت یا کسی عقلی سوال کے جواب کے لئے ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں وضاحت کی حد تک اس عقلی بحث ومباحثہ کو ناجائز بھی نہیں سمجھتے اور ضرورت کے مطابق اس مباحثہ میں شریک ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن وسنت کی تصریحات کو ان کی ظاہری صورت میں تسلیم کرنے والے تمام لوگ اہل سنت ہیں، البتہ ظاہری صورت پر فی الجملہ ایمان رکھنے کے بعد ان کی تعبیر وتوضیح میں اختلافات خود اہل سنت کے اندر بھی موجود ہیں اور ایسے کسی اختلاف سے کوئی شخص اہل سنت کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا۔ اہل سنت کے دائرے میں عقائد کی ایسی تعبیرات، تشریحات، توجیہات اور توضیحات کے حوالے سے جو مختلف مکاتب فکر موجود چلے آرہے ہیں ان میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور ظواہر کے گروہ متعارف ہیں جو امام ابوالحسن اشعری، امام ابومنصور ماتریدی اور امام ابن حزم ظاہری کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں عقائد کی تعبیر وتشریح کرتے ہیں اور بہت سے امور میں ان کے درمیان اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔

یہ تو مختصر تعارف ہے اس علم الکلام کا جو ہمارے دینی نصاب کا باقاعدہ حصہ ہے اور اب تک انھیں خطوط پر استوار ہے جن پر صدیوں قبل اس کی تشکیل ہوئی تھی۔ اب ہم ان تبدیلیوں اور ان کے حوالے سے پیدا ہونے والی ضروریات کی طرف آتے ہیں جو گذشتہ تین صدیوں کے دوران بتدریج رونما ہوئی ہیں اور ہمارے خیال میں ہم اپنے تنزل اور غلامی کے اس دور میں ''تحفظات'' کے دائرے میں محصور ہو جانے کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہیں دے سکے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ''علم العقائد والکلام'' ان تبدیلیوں اور ضروریات کو اپنے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر سکا اور ہم آج کے عالمی تناظر میں ایمانیات وعقائد کے ضروری تقاضوں کے ساتھ اس کو ہم آہنگ نہیں پاتے جس کی طرف مختلف اصحاب فکر ودانش ہمیں وقتاً فوقتاً توجہ دلاتے رہتے ہیں، لیکن ہم ابھی تک اس کا پوری طرح احساس وادراک نہیں کر پا رہے۔

ہمارے علم العقائد والکلام کے بیشتر مباحث یونانی فلسفہ اوراس کے ساتھ ساتھ ایرانی، ہندی اور قبطی فلسفہ کے ساتھ ہمارے علمی تعارف کی پیداوار ہیں اور ہمارے یہاں اسے ''معقولات'' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ خود اس فلسفہ کی اپنی ہیئت تبدیل ہوچکی ہے اور ارتقائی مراحل نے اس کی شکل وصورت تک بدل کر رکھ دی ہے۔ مثلاً ماضی میں سائنس کو معقولات کا حصہ تصور کیا جاتا تھا اور وہ فلسفہ کا حصہ سمجھی جاتی تھی، چنانچہ ہمارے یہاں فلکیات اور طبعیات کو معقولات ہی کے ایک حصہ کے طور پر پڑھایا جاتا تھا، جب کہ سائنس ایک عرصہ سے فلسفہ ومعقولات سے الگ ہوکر ایک مستقل علم کی شکل اختیار کرچکی ہے اور اب وہ معقولات اور فلسفہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ مشاہدات ومحسوسات کے دائرے میں شامل ہوچکی ہے، لیکن ہم درس نظامی کے نصاب کے باب میں اس تبدیلی کا ابھی تک ادراک نہیں کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس کی علیٰحدگی کے باعث عقائد اور ان کی تعبیرات کے ضمن میں جو نئے سوالات ہوئے ہیں ہم ان کا جواب دینے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کررہے۔ مثلاً فلکیات وطبعیات جب تک فلسفہ ومعقولات کا حصہ تصور ہوتے تھے ان کی کسی بات سے قرآن وسنت کے کسی ارشاد کے تعارض وتضاد کی صورت میں ہم آسانی سے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہماری عقل کا دائرہ محدود ہے، مگر معقولات کا دائرہ اور اس کے امکانات بہت وسیع ہیں، اس لئے کوئی بات اگر ہماری معروضی اور محدود عقل کے دائرے میں نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ معقولات کے وسیع دائرے اور اس کے مستقبل کے امکانات سے بھی متصادم ہے اور ہمارا یہ جواب نہ صرف یہ کہ اطمینان کی صورت بھی پیدا کردیتا تھا بلکہ بہت سی صورتوں میں عملاً بھی ایسا ہوجاتا تھا، لیکن اسی بات کے عقل وفلسفہ کے دائرے سے نکل کر مشاہدات ومحسوسات کے زمرہ میں شامل ہوجانے کے بعد یہ جواب کافی نہیں اور ہمیں ایسے سوالات کے جوابات کے لئے کوئی اور اسلوب اختیار کرنا ہوگا اور میری طالب علمانہ رائے میں آج کے دور میں ہمارے علم عقائد کے لئے یہ وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس کے پہلو بہ پہلو ایک اور علم بھی بہت سے سوالات لئے ہمارے سامنے کھڑا ہے اور وہ عمرانیات اور سوشیالوجی کا علم ہے جس نے اس قدر ترقی کی ہے کہ جدید تہذیب اور گلوبل سولائیزیشن میں اس نے وحی اور آسمانی تعلیمات کی جگہ حاصل کررکھی ہے اور انسانی سوسائٹی کے بیشتر مسائل اب اسی کے حوالے سے طے ہوتے ہیں، مگر ہمارے یہاں اس سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے بعد اس درجہ کا کوئی اور عالم نظر نہیں آتا جس نے عمرانیات کو باقاعدہ موضوع بنا کر اس پر بحث کی ہو اور ہمارے دینی حلقوں کو اس علم سے متعارف کرانے کی کوشش کی

ہو، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کے ذہنوں میں عمرانیات اور سوسائٹی کے ارتقاء کے حوالے سے سوالات اور شکوک کا ایک جنگل آباد ہے مگر ہمارے دینی حلقوں کے پاس ان سوالات کا نہ کوئی جواب ہے اور نہ ان میں سے بیشتر کو سرے سے ان سوالات کا ادراک ہی حاصل ہے۔

اس لئے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ عالمی افق پر گذشتہ تین صدیوں کے درمیان رونما ہونے والی علمی تبدیلیوں اور خاص طور پر فلسفہ، سائنس اور عمرانیات کی انسانی ذہنوں پر حکمرانی سے پیدا شدہ صورت حال میں ہمیں ''علم العقائد والکلام'' کے نصاب کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا۔ اس کا مطلب عقائد میں تبدیلی نہیں ہے بلکہ ان کی تعبیرات وتشریحات کے اسالیب اور ترجیحات کی از سر نو تشکیل ہے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ماضی میں یونانی اور دیگر فلسفوں کی آمد پر ہم نے اپنے عقائد پر پوری دل جمعی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے ان کی علمی وعقلی توجیہات وتعبیرات کا ایک نظام تشکیل دیا تھا جس کے ذریعہ ہم نے اپنے عقائد وایمانیات کے خلاف فلسفہ ومعقولات کی یلغار کا رخ موڑ دیا تھا۔ آج بھی اسی کام کے احیاء کی ضرورت ہے اور عقائد وایمانیات کے باب میں جدید فلسفہ، سائنس اور عمرانیات کے پیدا کردہ مسائل اور اشکالات کسی اشعری، ماتریدی، ابن حزم، غزالی، ابن رشد، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کی تلاش میں ہیں، جو ظاہر ہے کہ انھیں مدارس کی کوکھ سے جنم لیں گے۔ اس لئے دینی مدارس کو اس پہلو سے اپنے ''بانجھ پن'' کے اسباب کا کھلے دل ودماغ کے ساتھ جائزہ لینا چاہئے اور ان کے علاج کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ان کے ذمہ آج کے دور کا سب سے بڑا قرض یہی ہے۔

اس کے ساتھ ہی بطور نمونہ عقائد وایمانیات سے تعلق رکھنے والے چند سوالات کا ذکر کرنا چاہوں گا جو آج کے علمی تناظر میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہنوں میں ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں اور ان کے قابل اطمینان جوابات فراہم کرنا ہماری اسی طرح کی ذمہ داری ہے جس طرح ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی نے اپنے دور کے علمی چیلنج کا منطق واستدلال کے ساتھ سامنا کیا تھا:

- انسان کو جب نفع ونقصان کے ادراک کے لئے عقل دی گئی ہے تو پھر مذہب کی ضرورت کیا باقی رہ جاتی ہے؟
- وحی کی ماہیت کیا ہے اور کیا یہ انسانی عقل ووجدان سے ہٹ کر کوئی الگ چیز ہے؟
- وحی اور عقل کا باہمی تعلق کیا ہے؟
- انسانی سوسائٹی جب مسلسل ارتقاء کی طرف بڑھ رہی ہے تو نبوت کا دروازہ درمیان میں کیوں بند ہوگیا ہے؟
- سائنس اور مذہب کا باہمی جوڑ کیا ہے؟

- مذاہب کی مشترکہ صداقتوں پر یکساں ایمان رکھنے اور ان کے مشترکہ مصالح پر مشتمل احکام پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور کسی ایک مذہب کی پابندی کیوں ضروری ہے؟
- سوسائٹی کے ارتقاء اور تجربات کی بنیاد پر تشکیل پانے والے افکار ونظریات اور تہذیب کو مسترد کرنے کا کیا جواز ہے؟
- قرآن وسنت کے معاشرتی احکام اس دور کی عرب ثقافت یا رواجات کے پس منظر میں تھے یا اس سے مختلف ثقافتوں کے ماحول میں بھی واجب العمل ہیں؟
- احکام وقوانین میں مصالح ومنافع اور اہداف ومقاصد معتبر ہیں یا ظاہری ڈھانچہ بھی ضروری ہے؟
- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کا وجود بھی ہے یا نہیں؟ وغیر ذلک ۔

یہ مسائل نئے نہیں ہیں بلکہ ہر دور میں کسی نہ کسی عنوان سے زیر بحث رہے ہیں، لیکن آج کے عالمی تناظر میں یہ زیادہ ابھر کر سامنے آئے ہیں اور ایک مسلمان کو اسلامی اعتقادات اور ایمانیات کے معیار پر باقی رکھنے کے لئے ان سوالات اور ان جیسے دیگر بہت سے سوالات کے ایسے جوابات ضروری ہیں جو آج کے علمی تناظر اور ہمہ نوع معلومات کے افق میں قابل اطمینان ہوں۔

(بہ شکریہ ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ، پاکستان)

☆☆☆

مولانا یحییٰ نعمانی

تقلید اور مذاہب اربعہ پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

[عزیز القدر مولانا یحییٰ نعمانی کی تازہ تصنیف ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت'' عوام وخواص کے ہر طبقے میں بہت مقبول ہورہی ہے۔ راقم سطور (مدیر الفرقان) نے اس کے مطالعہ کے دوران محسوس کیا تھا کہ بڑا غیر معمولی کام توفیق الٰہی نے ہمارے مولوی یحییٰ میاں سے لے لیا ہے، اور اس کا حق ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، سو اس سلسلے میں جو کچھ مجھ سے بن پڑ رہا ہے کر رہا ہوں، قارئین الفرقان سے بھی گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ قدر کریں اور اس کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی مہم میں شریک ہوں —— ابھی کچھ دن قبل ایک ملاقات میں یحییٰ میاں نے بتایا کہ '' کچھ دن پہلے خیال ہوا کہ جس طرح نانا جانؒ (حضرت مولانا محمد منظور نعمانی) نے عام اور کم پڑھے لوگوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کے لئے بہت ہی آسان اور عام فہم انداز میں ایک رسالہ لکھا تھا اسی طرح اس مسئلہ کی بھی حقیقت کو سمجھانے کے لئے، اس کتاب کے علاوہ، ایک مختصر سا رسالہ اور زیادہ آسان اور عام فہم انداز سے لکھ دیا جائے، چنانچہ اسی خیال سے میں نے کچھ لکھا ہے آپ اسے دیکھ لیں، اور مناسب سمجھیں تو الفرقان میں اسے شائع کر دیں۔۔۔''

آپ ذیل میں جو مضمون ملاحظہ فرمائیں گے یہ اسی رسالہ کا پہلا حصہ ہے۔ امید ہے کہ یہ پورا رسالہ بھی جلد شائع ہوجائے گا —— دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز گرامی کی ان خدمات کو قبول فرمائے، علم ودین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں اپنے جد بزرگوار کا مکمل وارث بنائے۔ آمین! —— مدیر]

آپ حضرات واقف ہیں کہ تقلید کا مسئلہ اس وقت بہت سے لوگوں کے لئے شدید الجھن اور اختلاف کا مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ سیدھے سادھے اور دین کا کم علم اور سمجھ رکھنے والے بہت سے لوگ خصوصاً نوجوان اس ذہنی الجھن میں مبتلا اور پریشان ہیں کہ وہ اپنے نماز روزہ جیسے دینی اعمال میں کیا طریقہ

اختیار کریں؟ ہمارے ہندوستان میں انہوں نے جن علماء اور دین کے داعیوں کو دیکھا ہے وہ حنفی مسلک کے مطابق شریعت پر عمل کرتے ہیں، انہوں نے عوام کو اسی کے مطابق نماز روزہ سکھایا ہے اور ان کے ملک اور معاشرے میں اسی کا ماحول ہے۔ اس دوران اچانک کچھ لوگ ان سے کہتے ہیں کہ:

۱) تم جس طرح نماز پڑھتے ہو اور دین کے دیگر شعبوں میں جس طریقے پر عمل کرتے ہو وہ غلط ہے۔ حدیث کے خلاف ہے۔

۲) جب تم اللہ کے رسول پر ایمان لائے ہو تو ان کی کیوں نہیں مانتے؟ اور قرآن وحدیث چھوڑ کر مسلکوں کی اتباع کیوں کرتے ہو؟

۳) تم اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر دوسروں کی بات مان کر شرک کرتے ہو۔

۴) یہ بخاری مسلم اور دیگر حدیث کی کتابیں موجود ہیں مگر تمہارے علماء تم کو قرآن وحدیث کے بجائے گمراہی کے راستے پر لے کر چل رہے ہیں اگر تم کو صحیح دین پر اور نجات کے راستے پر چلنا ہے تو ہماری مانو، ہم تم کو قرآن وحدیث کے مسلک پر چلائیں گے اور یہ لوگ ابوحنیفہ اور شافعی کے مسلک پر۔

اب ایک عام سیدھا سادہ مسلم نوجوان جس کی دینی معلومات کا حال افسوسناک حد تک کمزور ہوتا ہے، شاید اس کو پوری نماز بھی ٹھیک سے یاد نہ ہو، عجیب الجھن اور بے اطمینانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس پر اعتماد کرے؟ کس کی مانے؟ اور کیسے اپنے دین ومذہب پر اعتماد کے ساتھ چل سکے؟

اس صورت حال کے نتیجے میں پھر بحثیں شروع ہوتی ہیں، فریقین ایک دوسرے کو گمراہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کے دین وایمان کی بخیں ادھیڑی جاتی ہیں، الزامات اور اتہامات کی بارش ہوتی ہے، غل غپاڑہ ہوتا ہے اور آپس میں عداوت ودشمنی کی وہ جہنم دہکتی ہے جس کی تپش سے وہ بھی نہیں بچ پاتے جو اس اختلاف وجنگ سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس صورت حال کے یہ دو نہایت نامبارک نتائج ہوتے ہیں: ایک عوام کی وہ ذہنی الجھن وپریشانی جس کا اوپر تذکرہ آیا اور دوسرا یہ آپسی رنجش اور دلوں کی پھٹن جو نفرت وعداوت اور امت میں تفریق کے گناہ تک پہنچتی ہے۔

ایک عام آدمی کی ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو سیدھے سادے انداز میں اس طرح سمجھایا جائے کہ

اس کو حق کی راہ پر قلبی اطمینان ہوجائے اور وہ اس بارے میں یکسو ہوجائے کہ اسے دین پر عمل کیسے کرنا ہے ،تا کہ فساد اور لادینیت کی اس دنیا میں وہ اپنی ذات کی اصلاح اور اپنے گھر والوں اور ماحول میں تقوے والی زندگی پیدا کرنے کے کام کی طرف توجہ کر سکے۔اور اللہ کی توفیق سے شقاق واختلاف کی خلیج بھی پاٹی جا سکے۔

آیئے !تقلید اور مسلکی اختلاف کے مسئلے پر کچھ غور کرتے ہیں!

ایک ضروری بات:

ہر قسم کے دینی اختلاف کے مسئلے میں غور کرنے سے پہلے یہ خوب سوچ لینا چاہیے کہ ہم کو کسی قسم کے تعصب اور گروہ بندی سے کام نہیں لینا ہے۔ہم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں، ہمارا اصل مقصد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور دین کی خیر خواہی ہے۔ہمیں وہی رویہ اختیار کرنا ہے اور اسی راہ پر چلنا ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو۔

ایک عام تجربہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی مسلک یا رائے کو اختیار کر لیتا ہے اور اس کی وکالت کرتا اور اس کی تبلیغ ودعوت شروع کر دیتا ہے تو ہم سب کا تجربہ ہے کہ عموماً وہ اس مسئلے پر ایک حق کے متلاشی اور طالب شخص کی طرح سے سوچنے پر تیار نہیں ہوتا اور کسی بات پر انصاف اور سچائی کے ساتھ غور نہیں کرتا۔بلکہ اس کا حال ایک وکیل کا سا ہوجاتا ہے جو بہر صورت اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے اور جس کی اصل خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ بہر حال کسی نہ کسی طرح مقدمہ جیت ہی جائے۔ایسا شخص پہلے سے قائم کی ہوئی اپنی رائے کے خلاف اگر کچھ سنتا ہے یا پڑھتا ہے تو وہ اسی خیال کے ساتھ پڑھتا ہے کہ مجھ کو اس کا کیا جواب دینا ہے اور کیسے بات بنانی ہے۔یہ طریقہ اس کے لئے حق کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

اس لئے ہم کو اس کا خاص خیال رکھنا ہے کہ ہم سے یہ غلطی نہ ہو۔ہم ایک سچے حق کے متلاشی کی طرح اس پوری گفتگو پر غور کریں، اور اللہ کی رضا اور اس کے دین اسلام اور امت کی مصلحت ہی کو اپنا اصل مقصد بنائیں۔اور اپنے دل ودماغ کو ہر قسم کے منفی خیالات وجذبات سے مکمل خالی کر کے اس تحریر کو پڑھیں۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ تقلید اور مسلکی اختلاف کا مسئلہ ایک خالص علمی مسئلہ ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت'' میں اس پر کافی تفصیلی بحث کر کے اپنے علم و انداز کی حد تک اُس سیدھے معتدل مسلک کی پوری وضاحت اور وکالت کی ہے جس کے ہمیشہ سے اہل سنت اور ان کے ائمہ اور علماء قائل رہے ہیں، تفصیلی علمی بحث کے لئے تو اسی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں مسئلے کو اس طرح واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس الجھن اور پریشانی سے باہر آسکے جو گہری علمی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔

چند نقاط پر غور فرمایئے، مگر پوری بات سرسری اور بے توجہ کے مطالعہ سے سمجھ میں نہیں آئے گی یا کم آئے گی، اس لئے ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ تنہائی میں اور غور کے ساتھ مطالعہ کریں۔

تقلید کا مطلب کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں واضح رہنی چاہیے کہ تقلید کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی امام یا عالم کی اطاعت کی جائے۔ چاروں مذاہب کی اتباع کرنے والے ہرگز ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اماموں اور علماء کی اطاعت ان کے لئے ہر حال میں ضروری ہے۔ اور نہ تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ان علماء کی بات اگر قرآن اور حدیث کے خلاف ہوگی تب بھی ان کی بات مانی جائے گی۔ یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی پر چلنا اللہ اور رسول کی مخالفت یا ان کے علاوہ کسی اور کی اطاعت ہے، یہ صرف مغالطہ آرائی اور غلط بات ہے۔ بلکہ تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جہاں قرآن اور حدیث کی بات بالکل قطعی اور واضح نہ ہو یا حدیثوں میں اختلاف ہو اور تضاد (Contradiction) نظر آتا ہو یا کوئی اور ایسی ہی بات ہو جس کی وجہ سے صحابۂ کرام اور ان کے بعد دین کے اماموں اور علماء امت میں ایک سے زیادہ رائیں چلی آرہی ہیں۔ اور ایک عام آدمی اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان میں سے کس کی رائے زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح ہے، تو وہ ایسی باتوں میں کسی امام یا عالم کی بات پر اعتماد کر کے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلنے کی کوشش کرے۔

اب جب آپ یہ سمجھ گئے کہ تقلید صرف شریعت کے ایک خاص حصے میں کسی امام یا عالم کے علم پر اعتماد کر کے اس کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نام ہے تو اب اگلی بات یہ سمجھئے کہ ایک عام

آدمی کو شریعت کے اس حصے میں کسی عالم یا امام کی تقلید کیوں کرنی پڑتی ہے اور وہ کیوں براہ راست قرآن وحدیث پر عمل نہیں کرسکتا؟؟

شریعت اسلامیہ کے احکام دو قسم کے ہیں:

(۱) پہلی قسم کے دائرے میں وہ مسائل آتے ہیں جن کے بارے میں اللہ اور رسولؐ کی بات ایسی واضح اور دوٹوک الفاظ میں آئی ہے کہ جن کے معنیٰ سمجھنے میں کسی عام عقل وفہم رکھنے والے کو بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ نیز اس میں قرآن وحدیث کی عبارتوں میں کوئی ظاہری قسم کا اختلاف اور تعارض (ٹکراؤ) بھی نہیں ہے۔ دین کے ایسے مسائل میں امت میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کا اعتبار کیا جائے۔ ایسے ہی شرعی احکام دین کا اصل بنیادی اور مرکزی حصہ ہیں۔ خوب جان لیجئے کہ اس پہلی قسم میں کسی کی تقلید نہیں کی جاتی۔ ان احکام میں کوئی کسی کا مقلد نہیں اور نہ کوئی کسی مذہب پر چلتا ہے، نہ کوئی حنفی ہے نہ شافعی یا حنفی۔ ہر آدمی براہ راست اللہ اور اس کے رسول کے اس حکم کو مانتا ہے جو اس کو پہنچتا ہے۔

(۲) دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں یا تو قرآن وحدیث کے الفاظ میں ایک سے زائد معنی کی گنجائش اللہ اور اس کے رسول نے خود چھوڑی ہے۔ یا اس سلسلے میں روایات میں باہم کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، ایک سے ایک بات معلوم ہوتی ہے اور دوسری سے کچھ اور۔ ان احکام کی تعداد اگرچہ کافی زیادہ ہے لیکن یہ دین میں وہ بنیادی درجہ اور جوہری مقام نہیں رکھتے جو پہلی قسم کے احکام رکھتے ہیں۔ اور اسی بنا پر ان میں صحابۂ کرام کے زمانے سے ہی فقہی اختلاف چلا آیا ہے۔ اور آج تک کسی ایک رائے پر اتفاق ممکن نہیں ہوسکا ہے۔ واضح رہے کہ روایات میں بہت اختلاف ہوتا ہے، اور شروع سے ہی یعنی بخاری مسلم کے لکھے جانے سے بھی پہلے سے علماء کو ان اختلافات کو حل کرنے پر کتابیں لکھنی پڑی ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان احکام میں ایک عام شخص کیسے جانے کہ اس کو کیسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی اور شریعت کے حکموں پر چلنا ہے؟

اس دوسری قسم میں جب کہ دلائل میں ایک سے زیادہ پہلوؤں کی گنجائش ہے اور علماء اور ائمہ میں اختلاف ہے، ایک عام آدمی جو خود قرآن وسنت اور فقہ کا گہرا اور وسیع علم نہیں رکھتا، اس کے لئے فطری طور پر بس یہی ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے عالم کی رائے پر عمل کرلے جس کے علم اور تقویٰ پر اس کو اعتماد ہو۔ اب آپ

سوچئے !مسلمانوں کی غالب تر اکثریت کو عربی زبان بھی نہیں آتی اور جن کو آتی بھی ہے انہوں نے شرعی علم باقاعدہ حاصل نہیں کیا، ان کے لئے قرآن اور حدیث کے ان اختلافی مسائل میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلنے کی ایک ہی شکل ہے کہ وہ کسی عالم کی رائے پر عمل کرلیں۔ **بس یہی تقلید ہے۔**

اس بدیہی اور واضح حقیقت پر مغالطہ آرائی کرنا اور یہ شور مچانا کہ دین کا ماخذ تو صرف قرآن وسنت ہیں، ہم کو صرف ان کی ہی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ تقلید میں اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں مذاہب اور ائمہ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے، سب ایسی بے محل باتیں ہیں جو کوئی انصاف سے محروم شخص ہی کہہ سکتا ہے۔ بہرحال مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کتاب وسنت کی ماننی ہے یا اماموں کی؟ یقیناً کتاب وسنت ہی کی اتباع کرنی ہے، اور صرف انہی کی بات کو اللہ کا حکم ماننا ہے۔ لیکن جہاں کتاب وسنت میں اختلاف ہو وہاں کیا کرنا ہے؟ یا جہاں حدیثیں الگ الگ طرح کی ہوں وہاں کیا کرنا ہے؟ عوام کو جو چاہے سمجھا لیجئے، مگر علماء جانتے ہیں کہ بسا اوقات حدیثوں سے ایک ہی حکم کے بارے میں الگ الگ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں حنفی شافعی بھی یہی کرتے ہیں اور اہل حدیث بھی کہ کسی معتبر عالم کی بات کے مطابق شریعت کی اتباع کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی تو تقلید ہے۔

سارے مذاہب کے علماء تقلید کی یہی حقیقت بتاتے ہیں، ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہؐ کے قول کے بجائے کسی امام یا کسی عالم کی بات بذات خود دلیل ہے یا بذات خود اس کی اتباع فرض اور واجب ہے۔ علماء کی ایسی عبارتوں سے اصول فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، جن میں انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ تقلید صرف ان مسائل میں کی جاتی ہے جہاں قرآن اور حدیث کی رو سے الگ الگ رائے قائم کی جاسکتی ہے، اور صحابۂ کرام اور ائمہ اسلام کا اختلاف چلا آیا ہے، ایک عام آدمی چاہے کچھ کرلے وہ خود تحقیق کرکے ذاتی رائے قائم نہیں کرسکتا، تو اس کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی امام یا عالم کی بات پر عمل کرلے۔

یہ اختلافی مسائل دین کا بنیادی حصہ نہیں:

یہاں ایک بات یہ خاص سمجھنے کی ہے کہ ان اختلافی مسائل کی تعداد اگرچہ کافی زیادہ ہے، مگر ان کا دین میں وہ اہم اور بنیادی مقام نہیں ہے جو پہلی قسم کا ہے۔ اور نہ ان میں اختلاف سے انسان کفر یا گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔ بلکہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ امت کے سارے علماء کا اتفاق ہے کہ ان میں اختلاف کے باوجود آدمی اہل سنت اور حق پر قائم رہتا ہے۔ ان میں اختلاف کے باوجود صحابۂ کرام اور اسلام کے سارے

ائمہ دوسروں کو حق پر تسلیم کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وہ سب سے بڑی شخصیت ہیں جن کے ہمارے غیر مقلد حضرات قائل اور معترف ہیں انہوں نے خود صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ:

''متنازع فیہ مسائل میں (یعنی جن میں فقہی اختلاف تھا ان میں) صحابۂ کرام کا اتفاق رہا ہے کہ ہر فریق نے دوسرے کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے دیا ہے۔ جیسے کہ عبادات، نکاح وطلاق، میراث، عطایا، سیاست، وغیرہ دیگر شعبوں کے احکام ۔۔۔۔۔ صحابۂ کرام کی حیثیت دین کے ایسے ائمہ کی ہے جن کے بارے میں صحیح وثابت نصوص (حدیث) کی شہادت ہے کہ وہ کبھی کسی باطل یا گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتے۔ اور کتاب وسنت میں ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ، ۱۹/ ۱۲۲

عوام کے لئے تقلید ضروری ہے:

آپ بخوبی جان چکے ہیں کہ عوام کے لئے تقلید ضروری ہے، ان کے لئے اختلافی فقہی مسائل میں شریعت کی اتباع کا یہی راستہ ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید واتباع کریں۔ یہ دھوکہ ہے اور فریب کہ ایک رسالہ پڑھ کے ائمہ کے اختلاف میں صحیح غلط کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ علماء نے فقہی اختلاف کے مسائل میں بڑی لمبی لمبی بحثیں کی ہیں، ایک ایک جزوی مسئلہ میں پوری پوری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان بحثوں کو سمجھنے کے لئے باقاعدہ علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ عوام تو کیا آج کل کے عالمیت کی ڈگریاں رکھنے والوں میں سے ان بحثوں کو سمجھنے والے دو چار فیصد سے زائد نہیں ہوسکتے۔ اب اگر تقلید نہ کی جائے تو ہر مسلمان پر ضروری ہوگا کہ وہ اپنی عمر اسی میں صرف کرے۔ پھر مسلمانوں میں نہ کوئی مزدور ہوگا نہ کسان، نہ تاجر نہ ٹیلر، نہ ڈاکٹر نہ انجینئر، سب علم دین حاصل کرنے میں ۱۵۔۱۵،، ۲۰۔۲۰ سال لگائیں گے اور اس کے بعد ایک ایک مسئلہ کی تحقیق میں دس دس کتابیں پڑھیں گے؟؟ حدیث کے مشہور امام خطیب بغدادی شافعی فرماتے ہیں کہ ''اجتہادی مسائل'' وہ ہیں جن میں کسی ایک رائے تک پہنچنے کے لئے استدلال واستنباط کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے عبادات اور معاملات ومعاشرت کے جزئی شرعی احکام، ان میں تقلید جائز ہے۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''تم اگر خود نہ جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھ لو''۔ اس لئے کہ اگر ہم ان فروعی مسائل میں تقلید سے منع کریں گے تو عوام تک پر علم دین کے تحصیل میں مشغول ہوکر ان مسائل کا (تفصیلی) علم حاصل کرنا ضروری ہوگا (اور اس کے لئے عمریں درکار ہیں) اور پھر زندگی کا کاروبار ختم اور کھیتی کسانی کا سلسلہ منقطع

ہوجائے گا۔لہٰذا اس کا تو حکم نہیں دیا جاسکتا'' (الفقیہ والمتفقہ :۱/۴۱۶)

اجتہادی مسائل اوران کی آسان پہچان:

علماء کی اصطلاح میں ان فقہی اختلافی مسائل کو اجتہادی مسائل کہتے ہیں۔اب رہا یہ سوال کہ کون سے مسائل ایسے اجتہادی مسائل ہیں، کہ ان میں اختلاف کی گنجائش ہے؟اس کی سب سے یقینی پہچان یہی ہے کہ سلف کے ائمہ کا ان میں اختلاف ہواور بعد میں بھی علماء ان میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے ہوں ۔آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جب ائمہ میں اختلاف ہے اور ایک دوسرے کے دلائل کے سامنے آنے کے باوجود بھی کوئی اپنی رائے سے نہیں ہٹا تو یہ اس کی صاف اور یقینی علامت ہے کہ وہ مسئلہ اجتہادی اختلاف کا مسئلہ ہے۔اس میں کسی کو غلط اور باطل کہنا سلف اور ائمہ اہل سنت کے طریقے کے خلاف ہے۔یہ بات کہ امت کے اہل علم باوجود اخلاص ،تقویٰ اور علم اور سمجھ کے اگر کسی بات پر متفق نہیں ہوسکے، ہر ایک نے اپنے دلائل بار بار سامنے رکھے اور اس پر صدیاں گزر گئیں تو یہ اس کی یقینی علامت ہے کہ یہاں قرآن وحدیث کی بنیاد پر اور ان کی روشنی میں دونوں رایوں کی گنجائش ہے۔کسی انسان کے پاس اگر بقدر ضرورت بھی عقل سلیم ہو اور اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو تعصب اور گروہ بندی ماؤف نہ کرچکی ہو،تو اس میں اس کو کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔مگر ہم سب جانتے ہیں جب انسان پر گروہ بندانہ نفسیات اور تعصب کا مزاج غالب آجاتا ہے تو وہ یہی نہیں اس سے بھی زیادہ بدیہی اور یقینی باتوں کا پوری شدت کے ساتھ انکار کرتا ہے۔

فقہی اختلاف کا اصل سبب حدیث سے ناواقفی نہیں:

جیسا کہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ دنیا کے معاملات میں بھی نہایت سمجھ دار لوگ پوری واقفیت کے باوجود الگ الگ رائیں رکھتے ہیں ،اور ان میں اتفاق نہیں ہو پاتا۔اسی طرح فقہی مسائل میں بھی اکثر اختلاف کی بنیاد سوچنے کے طرز اور سمجھنے کے انداز کا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ چند مسائل میں ائمہ کو حدیث شاید نہ پہونچی ہو مگر ان کے بعد زمانہ گزرتا گیا اور سارے فریق ایک دوسرے کے سامنے اپنے دلائل رکھتے گئے،حدیث کی کتابیں لکھی گئیں اور عام ہوئیں، ہر مسلک کے بے شمار علماء نے اپنے اپنے مسلک کے دلائل لکھے،اور پھر بھی اختلاف اگر باقی ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ مسئلے میں اختلاف کی حقیقی گنجائش ہے،اگر کوئی رائے واضح طور پر صحیح اور دوسری غلط محسوس ہوتی تو بعد کے علماء جن میں

بڑے بڑے ائمہ اور محدثین ہوئے ہیں وہ حق کی طرف رجوع کر لیتے۔

بلکہ ایسا ہوا ہے کہ کسی امام نے مثلاً امام ابوحنیفہ نے اپنے نزدیک دلائل کی روشنی میں کوئی رائے قائم کی لیکن بعد میں حنفی مسلک کے علماء کو وہ رائے صاف کمزور نظر آئی تو انہوں نے امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف فتویٰ دیا، اور پھر حنفی مسلک وہی قرار پایا جو بعد کے علماء کے نزدیک زیادہ صحیح تھا۔ ہر زمانے میں ایسا ہوتا آیا ہے۔

صحابۂ کرام بھی تقلید کرتے تھے:

بہر حال قرآن اور حدیث سے مسائل کو اخذ کرنا اور ان اختلافی مسائل میں اپنی کوئی رائے قائم کرنا بڑے اونچے مرتبہ کے اہل علم کا کام ہے۔ عام آدمی تو دور کی بات ہے اچھے خاصے علماء بھی اس لائق مشکل سے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا تقلید تو دین کی ایک فطری ضرورت ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام ہی کے دور سے تقلید کا رواج ہو گیا تھا۔ لوگ علماء سے مسئلہ پوچھتے تھے اور علماء صحابہ ان کو بغیر قرآن وسنت کی دلیل بتائے صرف فتویٰ اور مسئلہ بتا دیتے تھے۔ اور چونکہ عوام اجتہادی اور اختلافی مسائل کو اور ان میں لمبی لمبی بحثوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے، اس لئے وہ بھی ان علماء کے اعتماد پر اس مسئلہ کو مان لیتے تھے۔ صحابۂ کرام سے کئے جانے والے فقہی سوالات اور ان کے فتاویٰ کی ایک بہت بڑی تعداد حدیث کی کتابوں خصوصاً موطا امام مالک، کتاب الآثار، مصنف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں موجود ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں کم از کم نصف تعداد ایسی ہے جن میں انہوں نے صرف فتویٰ دیا ہے اور اس کی دلیل ذکر نہیں کی۔ اب غور کیجئے کہ سننے والا آدمی اس عالم کا فتویٰ اس لئے مانتا تھا کہ وہ اس کے علم پر اعتماد کرتا تھا۔ اور یہی تقلید کی حقیقت ہے۔ حدیث کی کتابوں سے ہم نے اس کی کئی مثالیں تقلید کے مسئلہ پر اپنی اس کتاب میں ذکر کی ہیں جس کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔

صحابۂ کرام کی تقلید ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس کا کوئی معمولی عالم بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ممتاز سلفی عالم ربانی شیخ محمد بن صالح العثیمین (جن کا مقام سعودی علماء کے یہاں شیخ ابن بازؒ کے بعد سب سے بڑا رہا ہے) صاف فرماتے ہیں۔

التقلید فی الواقع حاصل من عهد الصحابة رضی الله عنهم ولا شک ان من الناس فی عهد الصحابة والیٰ عهدنا هٰذا من لا یستطیع الوصول الی الحکم بنفسه لجهله وقصوره، ووظیفة

هٰذا ان یسئل اهل العلم و سوال اهل العلم یستلزم الاخذ بما قالوا، و هو التقلید (فتاویٰ نور علیٰ الدرب: ۲/۲۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ تقلید عہد صحابہؓ سے موجود ہے ....کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ کے دور میں لوگوں کی ایک تعداد ایسی تھی کہ جو خود حکم شرعی تک نہیں پہنچ سکتی تھی، اس لئے کہ وہ علم نہیں رکھتے تھے ایسے لوگوں کا فریضہ یہی تھا کہ اہل علم سے پوچھ کر مسئلہ پر عمل کریں۔ اور یہی تقلید ہے۔

اسلام کی تاریخ میں کسی معتبر امام یا عالم نے عوام کو تقلید سے نہیں روکا:

تقلید ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ پوری اسلامی تاریخ کے دوران اہل سنت کے تمام علماء اس کے قائل رہے ہیں کہ عوام اپنے علاقہ کے علماء کی تقلید کریں گے۔ کوئی بھی انصاف پسند جس کی عقل وفکر پر غلو اور تعصب کے پردے نہ پڑ گئے ہوں اس حقیقت واقعہ سے انکار نہیں کرسکتا کہ امت کی چودہ صدیوں پر محیط تاریخ کے دوران عوام کے لئے تقلید مطلق اور کسی خاص عالم یا کسی خاص مذہب کی تقلید کو کسی ایک بھی ایسے عالم نے ممنوع نہیں قرار دیا ہے جس کو امت مسلمہ میں عام مقبولیت حاصل ہو۔ یہ بات صریح مغالطہ آرائی ہے یا کھلی ہوئی غلط فہمی، کہ سلف اور محدثین کا مسلک تقلید نہیں ہے۔ اسلام کی تاریخ میں صحابۂ کرام سے لیکر آج تک کسی معتبر عالم دین نے جس کو امت میں خصوصا اہل سنت کے علماء میں قبولیت حاصل ہو عوام کو تقلید سے منع نہیں کیا۔ آج جو لوگ انکار کررہے ہیں اور لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ علماء اور ائمہ اربعہ کی تقلید نہ کریں وہ یقینا ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں جو اسلام کے تمام معروف ائمہ کے خلاف ہے۔ آپ ایک ایسی بات کہیں جو صحابہ سے لیکر آج تک کے اسلام کے تمام ائمہ کے خلاف ہو اور پھر بھی یہ سمجھیں کہ آپ کی بات صحیح ہوسکتی ہے یہ آخری درجہ کی خود فریبی اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔

اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اعتدال اور انصاف کے موقف تک پہنچنے کے لئے اکیلی یہی بات کافی ہے۔ عقل سلیم میں سے اگر کسی کو تھوڑا سا بھی حصہ ملا ہو اور مزاج بری طرح غلو کا شکار نہ ہو تو ایک آدمی علماء اور ائمہ کے متفقہ موقف سے انحراف کرتے ہوئے ہزار بار ڈرے گا۔

ہم نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس سلسلے میں محدثین اور فقہاء کی شہادتیں تفصیل سے ذکر کی ہیں ۔مثلاً سرخیل محدثین امام یحییٰ ابن معین حنفی تھے (ذہبی: سیر اعلام النبلاء)۔خاص طور پر یہ کہ امام مالک امام لیث ابن سعد، امام اوزاعی کے زمانے ہی میں ان کا مسلک علاقوں میں چل پڑا تھا اور ان دونوں ائمہ نے نہ لوگوں کو اس سے روکا نہ اس دور کے دیگر ائمہ نے (سیر اعلام النبلاء تذکرہ امام مالک)۔پھر آخری درجہ کی بات یہ کہ امام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم کی صاف عبارتیں موجود ہیں جن میں انہوں نے تقلید کو جائز بلکہ واجب تک کہا ہے۔یہی دونوں وہ شخصیتیں ہیں جن پر سلفی کہلانے والے غیر مقلد حضرات کو خاص اعتماد ہے ۔یہاں ہم ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت ذکر کریں گے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ بڑی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں سے کوئی اگر کسی مذہب کی تقلید کو بہتر سمجھتا ہے تو کسی کے لئے اس کو ٹوکنا اور اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔لکھتے ہیں:

من ترجح عندہ تقلید الشافعی لم ینکر علی من ترجح عندہ تقلید مالک و من ترجح عندہ تقلید احمد لم ینکر علی من ترجح عندہ تقلید الشافعی و نحو ذالک (۲۰/۲۹۲)

جس کے نزدیک شافعی کی تقلید بہتر ہے وہ اس پر اعتراض نہیں کرے گا جس کے نزدیک مالک کی تقلید بہتر ہے اور اسی طرح جس کے نزدیک احمد کی تقلید بہتر ہے وہ شافعی یا کسی اور امام کی تقلید کرنے والے پر اعتراض نہیں کرے گا۔

ایک اور سلسلۂ کلام میں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں یا وہ مجتہد ہوگا۔یا مقلد ہوگا۔اگر مقلد ہو تو ابن تیمیہؒ مشورہ دیتے ہیں کہ اس کو سلف کا یعنی ابتداء کی صدیوں کے ائمہ کا ہی مقلد ہونا چاہیے۔"**المقلد یقلد السلف ،اذا القرون المتقدمة افضل مما بعدها (مجموع الفتاویٰ: ۲۰/۹)** اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک آدمی اگر مجتہد نہ ہو تو اس کو مقلد ہونا پڑے گا، اور ایسی صورت میں ہما شما اور نئے علماء کی تقلید کے بجائے ابن تیمیہؒ اس کو ابتدائی صدیوں کے ائمہ خصوصاً ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔خاص طور پر اس لئے بھی کہ انہی کا مذہب تفصیلی طور پر محفوظ ہے۔

ہمارے اہل حدیث حضرات کو سوچنا چاہیے کہ تقلید کو غلط بلکہ حرام قرار دینے کا جو رویہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ اس قدر غلط ہے کہ اس میں ان کو امت کے ائمہ میں کوئی بھی پیشوا نہیں ملتا۔کہا جاتا ہے کہ

امام ابن القیمؒ نے تقلید کو حرام لکھا ہے، مگر یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ تقلید کسی کے لئے جائز ہوتی ہے اور کسی کے لئے واجب بھی۔ حافظ موصوف نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں تقلید کے مسئلہ پر جب گفتگو شروع فرمائی تو عنوان میں ہی یہ تصریح کی کہ تقلید کسی کے لئے واجب ہوتی ہے اور کسی کے لئے جائز۔ انہوں نے اس باب کا عنوان ہی یہ قائم فرمایا:

ذکر تفصیل القول فی التقلید، وانقسامہ الی ا، مایحرم القول فیہ والافتاء بہ ۲، والی مایجب المصیر الیہ ۳، والی مایسوغ من غیر ایجاب آگے کہتے ہیں:

من بذل جهده في اتباع ما انزل الله و خفي عليه بعضه فقلد فيه من هو اعلم فهذا محمود غير مذموم وماجور غير مازور ، كما سياتي بيانه عند ذكر التقليد الواجب والسائغ ان شاءالله، (اعلام الموقعين: ۲/۱۸۸)

''جس نے اللہ کے شریعت کی اتباع کی اپنی سکت بھر کوشش کی، اور جو مسئلہ وہ خود معلوم نہیں کرسکتا اس میں اس نے اپنے سے زیادہ علم والے کسی شخص کی تقلید کرلی، تو ایسا شخص مذموم نہیں قابل تعریف ہے، گناہگار نہیں ثواب کا مستحق ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت تقلید واجب اور تقلید جائز کے ذکر کے وقت آئے گی۔''

خود ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی حنبلی مسلک کی تقلید کرتے تھے۔ اس میں بھی علماء کو کبھی شک نہیں رہا۔ اس کا اعتراف موجودہ سلفی علماء کو بھی ہے۔ مشہور سلفی سعودی عالم شیخ صالح الفوزان کہتے ہیں:

هاهم الائمة من المحدثين الكبار كانوا مذهبيين ،فشيخ الاسلام ابن تيمية وابن تيمية كانا حنبليين ،والامام النووى وابن حجر كانا شافعيين ،والامام الطحاوى كان حنفياًوابن عبدالبر كان مالكياً، (اعانة المستفيد، شرح كتاب التوحيد: ۱/۱۲)

''غور کیجئے! محدثین کے بڑے بڑے ائمہ مذاہب کے ماننے والے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم حنبلی تھے، امام نووی اور ابن حجر شافعی تھے۔ امام طحاوی حنفی تھے اور ابن عبدالبر مالکی تھے۔''

اور آخری درجہ کی بات یہ کہ شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ اور ان کے اولاد واخلاف جن کو ہمارے یہ برادران بھی اہل حدیث اور سلفی ماننے سے انکار نہیں کرسکتے، وہ بھی حنبلی تھے، اور اپنے مقلد ہونے کا اقرار

کرتے تھے۔یہی نہیں بلکہ وہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ نجبرھم علی تقلید احد الائمۃ الاربعۃ (الدر السنیۃ، ۱/۲۷۷) ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔اسی طرح شیخ ابن العثیمینؒ نے موجودہ علماء سعودیہ کے مقلد اور حنبلی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

حدیث کے سب امام مقلد ہوتے رہے ہیں

اور محدثین کا مسلک تقلید ہے نہ کہ عدم تقلید:

پھر پانچویں صدی کے بعد امت کی تاریخ میں جس قدر بھی ائمہ دین ہوئے ہیں۔جن کی امامت وعظمت پر سارے اہل حق کا اتفاق ہے وہ سب کے سب کسی نہ کسی مذہب سے تقلید کا تعلق رکھتے ہیں۔تقلید کی صحت اور اتباع مذاہب کا جو رویہ امت میں عموما رائج ہے اس کے صحیح اور محفوظ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ گزشتہ ۹ صدیوں کے دوران امت کے تمام علماء وصالحین اور مجددین ومصلحین اسی طریقہ پر کاربند رہے ہیں۔اس لئے جان لینا چاہئے کہ دین کی سلامتی اسی طریقہ میں ہے۔اساطین علم حدیث یعنی علم حدیث کے اپنے زمانے کے ائمہ تقلید مذاہب کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ عموما ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی اتباع کرتے تھے۔خاص طور پر پانچویں صدی ہجری کے بعد سے یعنی جب سے مذاہب اربعہ کی تدوین اور شہرت ہوئی،اب تک صدیاں گزر گئیں کہ تمام محدثین مذاہب اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرتے رہے ہیں۔مثلا امام دارقطنی،بیہقی،ابن عبدالبر،منذری،ابن المنذر،خلال،طحاوی،الرامہرمزی،خطابی،ابن مندہ،ابونعیم،خطیب البغدادی،خطیب تبریزی،ابن ماکولا،بغوی،قاضی عیاض،ابن عساکر،ابن الجوزی،ضیاء مقدسی،مزنی،برزالی،تقی الدین سبکی،تاج الدین سبکی،ابن الصلاح،ابن قدامہ مقدسی،ذھبی،ابن کثیر،نووی،زیلعی،ابن عبد الہادی،ابن رجب،عراقی،ابن حجر ہیثمی،ابن حجر عسقلانی،سخاوی،سیوطی .....رحمہم اللہ تعالیٰ،اور نہ جانے کون کون۔یہ سب حضرات اپنے اپنے زمانے کے علم حدیث کے امام ہیں۔نہ صرف امام بلکہ انہی کے ذریعے اس علم کو ترقی ملی ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ یہ سارے ائمہ مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کا مسلک تقلید ہے نہ کہ عدم تقلید۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب اوران کے متبعین حنبلی تھے اور مذاہب اربعہ کی تقلید کو واجب کہتے تھے:

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے صاحبزادے اور جانشین اپنے اور اپنی جماعت کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ونحن ایضا فی الفروع علی مذھب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلد احد الائمة الاربعةدون غیرھم لعدم ضبط مذاھب الغیر ،الرافضة والزیدیة ،ولامامیة ونحوھم،ولانقرھم علی مذاھبھم الفاسدة،بل نجبرھم علی تقلید احد الائمة الاربعة،(الدرالسنیة، ۱/۲۷۷)

''ہم فقہی مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔اورائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والے پر تنقید بھی نہیں کرتے لیکن ان کے علاوہ دوسرے مسالک مثلاً روافض، زیدی، اور امامی وغیرہ مسالک پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ ان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔''

ہم سوال کرتے ہیں کہ غیر مقلد علماء تقلید کے حرام بلکہ شرک ہونے کے جیسے فتوے بانٹتے ہیں کیا وہ اب یہی فتوے سعودی عرب کے ان علماء شیخ محمد ابن عبدالوہاب ،ان کے صاحبزادگان، شیخ محمد بن صالح العثیمین، شیخ صالح الفوزان اور آگے چل کر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم کے بارے میں بھی دینگے؟؟ یہ کونسی ایمانداری ہے کہ ہندوستان کے لوگ تقلید کریں تو شرک ،اور سعودی علماء تقلید کریں اور کرائیں تو وہ توحید کے امام؟؟ آخر بے چارے عوام کو ذہنی الجھن میں مبتلا کرنا ان کے ساتھ کونسا خلوص اور خیر خواہی ہے؟؟

تقلید میں اعتدال وحقیقت پسندی کی دعوت تو علماء اسلام کا موقف ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہے اور ہر دور کے محققین اس کی ضرورت سمجھتے رہے ہیں۔مگر تقلید اور چاروں مذاہب کو چھوڑ دینے کی دعوت کسی نے نہیں دی ،ڈھونڈنے اور تلاش کرنے سے گزشتہ نو صدیوں کے دوران چند افراد ایسے مل سکتے ہیں جو کسی خاص مذہب کے مقلد نہیں تھے،لیکن یہ بس گنتی کے چند نام ہوں گے۔جن کی تعداد امت کے ائمہ کی عظیم مقدار کے

سامنے کچھ بھی نہیں ۔ بلکہ امت میں اپنی مقبولیت اور شہرت کے اعتبار سے بھی وہ تقلید کے قائل علماء اسلام کے مقابلہ میں یقیناً گمنام نظر آتے ہیں ۔

الغرض عوام کو تقلید چھوڑ دینے کی دعوت ایک بے محل اور نئی دعوت ہے، جس کا کوئی سلف نہیں، اور علماء اسلام میں ابن حزمؒ جیسوں کے علاوہ اس دعوت کا کوئی پیش رو نہیں ۔

خود اہل حدیث بھی مقلد ہی ہیں:

کوئی ایسا شخص جس میں انصاف کا کوئی ذرہ بھی ہوگا وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ اہل حدیث کہلانے والے حضرات بھی اپنے عوام سے تقلید ہی کراتے ہیں ۔ ظاہر بات ہے کہ پان بیچنے والا ہو یا کھیتی مزدوری کرنے والا ایک بے پڑھا لکھا انسان یا جدید تعلیم یافتہ وہ لوگ جنہوں نے علم دین حاصل نہیں کیا وہ خود قرآن وحدیث سے استنباط واجتہاد نہیں کرتے ، نہ وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ ائمہ کے اختلافات میں ہر ایک کے دلائل پر غور کرکے راجح کا پتہ لگا سکیں ۔ وہ بھی اہل حدیث علماء کی تقلید کرتے ہیں ۔ ہاں ان بیچاروں کو یہ وہم ضرور پیدا کردیا جاتا ہے کہ وہ تقلید نہیں کرتے ۔ خود تو وہ آج کے ہاشما کچے پکے علماء کے مقلد ہوتے ہیں مگر ائمہ اربعہ کے مقلدین کو کم تر اور غلط سمجھنے لگتے ہیں ۔

مذاہب اربعہ اور ان کی تقلید کی سب سے مضبوط دلیل:

مذاہب اربعہ اور ان کی تقلید کی سب سے مضبوط دلیل یہی ہے کہ امت کا کوئی مقبول امام اور عالم چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی اعتدال کے ساتھ تقلید کا مخالف نہیں ۔ اب مذاہب اربعہ کی تقلید کے مخالف حضرات سوچ لیں کہ وہ سلف کے تمام علماء اور ائمہ کے مخالف ہیں ۔ لے دے کے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن القیمؒ اور ان کے سلسلے کے کچھ علماء مثلاً ابن کثیر، ذھبیؒ ، ابن رجبؒ ، ابن عبدالہادیؒ اور اخیر زمانے میں شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ اور ان کے سلسلے کے علماء پر آپ کو اعتماد تھا، مگر یہ سب چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے تھے ۔ اب یا تو یہ کہئے کہ ساری امت نے دین کو نہیں سمجھا اور اس کے تمام علماء اور ائمہ ایک ایسی چیز کو حلال کہتے آئے بلکہ خود بھی اس پر عمل کرتے آئے اور پوری کی پوری امت سے اس پر عمل کراتے آئے جو گمراہی اور آپ کے بقول شرک ہے ۔ ساری امت کے تمام علماء نے دین کو نہیں سمجھا اب آپ کی ایک جماعت ہے جس نے اس دور میں آکر دین کو سمجھا ہے ۔ بہرحال سلف کی اتباع کے دعوے کے ساتھ یہ رویہ مضحکہ خیز حد تک ناقابل فہم ہے ۔

مذاہب کی اتباع کی ایک حکمت:

مذاہب کے رواج اور ان کی تقلید میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عوام کو ذہنی تشویش اور الجھن سے بچایا جائے۔اس بات کو سمجھنے کے لئے زیادہ ذہانت کی ضرورت نہیں، بس تھوڑی سی سنجیدگی سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عوام کے لئے اس میں کتنی عافیت ہے کہ ایک علاقے میں ایک ہی مسلک چلتا رہے اور نئے نئے طریقوں پر (چاہے وہ غلط نہ ہو) چلنے کی کوشش نہ کی جائے۔کم سمجھ عوام بسا اوقات اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اس وقت الجھن اور اضطراب میں پڑ جاتے ہیں جب کسی کو اپنے علاقے کے معروف اور رائج طریقہ کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔یقینا بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ لوگوں کو ائمہ کے اجتہادی اختلاف کی پہچان ہو اور وہ ان کو قبول کریں، مگر عملی طور پر تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ اپنے علاقے کے مالوف ومشہور طریقہ کے خلاف طریقہ دیکھ کر لوگوں کو ایک طرح کی اجنبیت اور استعجاب بلکہ اشکال واعتراض پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا ائمہ اور علماء کا ہمیشہ سے طریقہ یہی رہا ہے کہ اگر دلائل کے اعتبار سے گنجائش ہوتی ہے تو وہ اپنے علاقے کے مسلک کو نہیں چھوڑتے، بلکہ مشہور امام حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس سلسلے میں جو کہا تھا وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔اور اس میں تالیف قلب کے علاوہ عوامی عمل میں یک رنگی کی جو مصلحت ہے وہ ظاہر ہے۔غور کرنے والا ہر منصف مزاج اس کو سمجھ سکتا ہے۔

عوام پر اپنے علاقے کے علماء کی تقلید ضروری ہے:

مجھے بڑی خوشگوار حیرت ہے کہ اجتہادی مسائل میں اپنے علاقے کے علماء کی اتباع ضروری ہونے میں پوشیدہ اس حکمت کی جیسی واضح تصریح مجھے شیخ محمد بن صالح العثیمین کے یہاں ملی کسی کے یہاں نہیں ملی۔یہ وہی شیخ محمد العثیمین ہیں جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سلسلے کے اپنے وقت کے سب سے بڑے مقتدیٰ اور عالم تھے۔انہوں نے متعدد سوالات کے جوابات میں یہ بات کہی ہے کہ عوام کو ان فقہی اختلافی مسائل میں اپنے علاقے کے علماء کے مذہب پر ہی چلنا چاہیے۔اس کی حکمت لوگوں کو انتشار سے بچانا ہی ہے۔شیخ موصوف ایک موقعے پر فرماتے ہیں کہ: عوام کا مذہب وہی ہونا چاہئے جو اُن کے علماء کا ہو۔اگر کوئی کہے کہ میں جس کی چاہے تقلید کروں، کوئی ٹوکنے والا کون ہوتا ہے؟ تو ہم کہیں گے:

لایسوغ لک ھٰذا، لان فرضک انت ھو التقلید، واحق من تقلد علماؤک ولو قلدت من کان خارج بلادک ادّیٰ ذالک الی الفوضیٰ فی امر لیس علیہ دلیل شرعی......

فالعامی یجب علیہ ان یقلد علماء بلدہ الذین یثق بھم وقد ذکر ھٰذا شیخنا عبد الرحمن بن سعدی رحمہ اللہ، وقال :العامۃ لایمکن ان یقلدوا علماء من خارج بلدھم، لان ھٰذا یؤدی الی الفوضیٰ والنزاع، ولو قال :انا لااتوضا من لحم الابل، لانہ یوجد من علماء الامصار من یقول :لایجب الوضوء منہ، قلنا لایمکن، یجب علیک ان تتوضا لان ھٰذا مذھب علمائک وانت مقلدھم، (لقاءات الباب المفتوح: ۱۹/۳۲)

''تمہارے لئے یہ جائز نہیں اس لئے کہ تمہارا فرض تقلید ہے، اور سب سے زیادہ حق یہ ہے کہ اپنے علماء کی تقلید کرو، اور اگر تم نے اپنے علاقے کے علماء کو چھوڑ کر دیگر علماء کی تقلید کی تو اس سے انتشار پیدا ہوگا۔ ایک ایسے امر میں جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے......

لہٰذا عام آدمی پر یہی واجب ہے کہ وہ اپنے علاقے کے ان علماء کی تقلید کرے جن پر اس کو اعتماد ہے۔ ہمارے شیخ عبدالرحمن بن سعدی نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ عوام کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسرے علاقوں کے علماء کی تقلید کریں۔ اس لئے کہ اس کے نتیجے میں انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اگر (ہمارے علاقے کا) کوئی شخص یہ کہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد میں وضو نہیں کروں گا۔ (جب کہ حنبلی مذہب میں اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) تو ہم کہیں گے کہ نہیں، تم پر وضو واجب ہے۔ اس لئے کہ تمہارے علاقے کے حنبلی علماء کا مذہب یہی ہے اور تم ان کے مقلد ہو۔''

ناظرین کرام سے، خصوصا وہ حضرات جو تقلید کے قائل نہیں ہیں ان سے، درخواست ہے کہ اپنے اس مقتدیٰ کی اس عبارت پر ذرا غور کریں۔ اس میں شیخ مرحوم نے کتنی جگہ عوام کے لئے تقلید خصوصا اپنے علاقے کے علماء کی تقلید ضروری قرار دیا ہے۔ بس ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں کہتے جو یہ علماء سعودی عرب کہتے ہیں۔ یقین ہے کہ اہل حدیث علماء ان علماء سعودی عرب کو گمراہ، اندھے مقلد اور مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اور کاش، کاش یہ برادران غور کرتے کہ یہ کس قدر انتشار واختلاف پھیلانے والا عمل ہے کہ ہندوستان جہاں حنفی

مذہب رائج ومقبول ہے، وہاں کے عوام کو اتباع حدیث کے نام پر کسی دوسرے مسلک خصوصا سعودی عرب کے علماء کے مسلک یا اہل حدیث کے مسلک کی اتباع کی دعوت دی جائے۔

شیخ محمد العثیمین نے اور شیخ عبدالرحمن بن سعدی نے تو وہ نہیں دیکھا جو ہم دیکھ رہے ہیں، اگر ہماری طرح وہ دیکھتے کہ مسجد مسجد جھگڑے ہیں، مناظرے ہیں، بلکہ گالم گلوج ہیں، لڑائیاں ہیں، اور ایک فریق کی ابتدا اور زیادتی پر دوسرا فریق بھی مشتعل ہورہا ہے، اور مسلمانوں کی الفت ومحبت اس فتنہ کی آگ میں جھلس کر رہ گئی ہے اگر یہ حضرات یہ دیکھتے تو ان کو اندازہ ہوتا کہ یہ کتنا بڑا فتنہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں اور مسلک کے اختلاف میں لوگ اپنے علاقے کے علماء کے طرز عمل کو چھوڑ کر دوسروں کی تقلید کی دعوت دیں۔ یہ طرز عمل یقینا ایک فتنہ ہے۔ اوپر کی عبارت میں شیخ ابن عثیمین نے تو اس بات سے بھی پوری صراحت اور تاکید سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی ذات کی حد تک بھی اپنے علاقے کے علماء کی رائے کے خلاف کسی دوسرے مسلک پر عمل کرے، شیخ نے اس کو بھی انتشار اور اختلاف اور جھگڑوں کا سبب بتایا ہے۔ مگر یہاں تو پانی اس سے کہیں اونچا ہو چکا ہے۔ اب اندازہ کیجئے کہ وہ انتشار واختلاف کتنا بڑا ہوگا جو اس وقت پھیلے گا جب دوسروں پر زور ڈالا جارہا ہو کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھو، رفع یدین کرو، ہاتھ یہاں باندھو، یہاں نہ باندھو، حنفی مذہب چھوڑو، ورنہ تم کتاب وسنت کے مخالف قرار پاؤ گے، اس طرز عمل سے کتنا اختلاف وانتشار پیدا ہورہا ہے، اور مسلکی اختلاف کی اس فتنہ انگیز تحریک کے علم بردار اس دھوکے میں ہیں کہ ہم دین کی خدمت کررہے ہیں۔

اس فتنے کا سب سے بڑا نقصان:

ہم آپ سب جانتے ہیں کہ اس وقت مغرب کی ایمان سوز تہذیب کا ہر طرف سیلاب آیا ہوا ہے۔ جدید تعلیم نے اور قہر ڈھایا ہوا ہے۔ پوری پوری نسلیں اس سیلاب میں بہی چلی جارہی ہیں۔ اس دور کا اصل کام یہ تھا کہ امت میں ایمان ویقین، فکر آخرت اور تقوے والی زندگی پیدا کی جائے۔ ایک مرتبہ پھر اسی طرح ایمان اور عبادت پر امت کی زندگی قائم کی جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ حنفیت کی مخالف اس دعوت وتحریک کا ہمارے نزدیک سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جو حلقے اس بنیادی کام کے داعی ہیں اور اللہ کے جن بندوں کے یہاں سے یہ دولت ہمارے ہندوپاک میں مل سکتی ہے یہ تحریک ان سے لوگوں کو بدظن اور متنفر کرکے عملا ان کے لئے دینی ترقی واصلاح کے امکان کو بہت کم کردیتی ہے۔ یہی نہیں جو

لوگ اس سے متأثر ہوجاتے ہیں عموماوہ عملی زندگی میں دین کے اس درجے سے بھی گر جاتے ہیں جس پر وہ پہلے سے ہوتے ہیں۔

افسوس !ہمارے یہاں تقویٰ ،حرام چیزوں سے بچنا ،شرعی احکام کی مکمل پابندی ،اللہ سے تعلق،عبادت اور ذکر ودعا کا اہتمام جیسی دینی ضرورتوں کی اہمیت ہی نہیں بچی ہے،اگر ہم دین کی ان بنیادی چیزوں کوقدرواہمیت دیں توہمیں اندازہ ہوگا کہ اس دعوت کا کیسا نقصان امت کوپہنچ رہا ہے۔خدارااس بات کوکسی جماعت وحلقے کی عصبیت کا نتیجہ نہ سمجھئے !اس دنیا میں اگرکوئی طریقہ اپنے دل کی کیفیات کو دوسرے کے سامنے کھول دینے کا ہوتا ، یا کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوگیا ہوتا جو دل کے درد کی تصویر بنادیا کرتا تو یہ عاجز وغریب آپ کے سامنے اس کولیکر حاضر ہوتا۔میں نے اس تحریک ودعوت کا جونقصان ابھی ذکر کیااس کومحسوس کرنے کے لئے بس یہ کافی ہے کہ آپ ان نوجوانوں کا عملی جائزہ لے لیجئے جوتقلید کواورحنفی مسلک کوغلط اور گمراہی سمجھنے لگے ہیں۔جن لوگوں کوانہوں نے اپنادینی رہنمامان لیا ہوتا ہےان کوان کی دینی ترقی کی کوئی فکر نہیں ہوتی ۔نہ سنتوں کا اہتمام ہوتا ہے نہ دعاؤں کا معمول ،نہ عبادت اور ذکر کا خیال نہ زندگی میں حرام چیزوں سے بچنے کی فکر۔ بلکہ وہ بیچارے جوکچھ دین پر پہلے سے عمل کرتے تھےاس میں بھی کمی ہوجاتی ہے۔

بہرحال یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنے علاقے کے ان لوگوں سے دورکردیا جائے جووہاں ایمان وعبدیت اورتعلق مع اللہ اورتقوے والی زندگی کے اصل داعی ہوں۔

ایک دردمندانہ اپیل:

ہم اپنے اہل حدیث بھائیوں سے پوری دردمندی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ آپ سب خصوصا وہ حضرات جن کودین کا تھوڑا سا بھی علم اورسمجھ ہے جانتے ہیں کہ یہ کس قدرسنگین گناہ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں کیسی خطرناک جرأت ہے کہ ایک ایسی چیز کوحرام قرار دیا جائے جودین میں فطری طور پر حلال ہے،اورجس کوامت کے تمام علماء میں سے کسی نے آج تک حرام قرارنہیں دیا۔خدارا تعصب اورمخالفت کے جوش میں ایسا خطرناک گناہ مت کیجئے ،اورایسے وبال کودعوت مت دیجئے۔اسی کودین کی اصطلاح میں اتباع ہویٰ کہتے ہیں کہ آدمی اپنے نفسانی جذبات اورگروہ بندانہ تعصّبات (Bias) میں ایسا کھوجائے کہ اس کواس

میں بھی کوئی خوف اور باک نہ ہو کہ وہ اتباع شریعت اور عمل بالحدیث کے نام پر ایک ایسی چیز کو حرام کہے جارہا ہے جس کو قرآن اور حدیث نے جائز رکھا ہے اور جس کو امت میں کسی عالم نے حرام نہیں کہا۔ آپ حضرات کو مزید غور کرنا چاہئے کہ آپ پر اس مسلک وخیال کی حمایت کا کیسا جوش وجذبہ طاری ہے کہ وہ آپ کو نہ یہ سوچنے دیتا ہے کہ یہ بات امت میں کسی معتبر عالم دین وامام نے نہیں کہی اور آپ امت کی تاریخ میں ایک بالکل نئی بات کہے جارہے ہیں، اور نہ ان خیالات کی اشاعت سے یہ چیز آپ کو روک رہی ہے کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں میں کس قدر اختلاف وانتشار پھیل رہا ہے۔ افسوس! ان دونوں میں سے کوئی بات آپ کو اپنے طرز عمل سے نہیں روک رہی۔

اسلامی برادری کے رشتہ کی بنیاد پر ہم اہل حدیث کہلانے والے حضرات سے بڑی ہمدردی اور محبت کے ساتھ کہتے ہیں کہ تقلید کے سلسلے میں آپ کا مسلک کتاب وسنت کے دلائل اور سلف اور ائمۂ دین کے خلاف ہے۔ راہ ہدایت واعتدال یقیناً وہی ہے جس پر سلف اور ائمۂ اہل سنت کا عمل رہا ہے۔ عصبیتوں کو چھوڑئے اور دین کی مصلحت کو عزیز رکھتے ہوئے اس صحیح اور حق مسلک کو قبول کر لیجئے جو صحابہ کے دور سے چلا آرہا ہے، اور بعد کے تمام ائمہ اور محدثین کا بھی وہی مسلک رہا ہے۔

اس امت میں ایک سنگین بیماری حلقوں اور گروہوں کی عصبیت پیدا ہوگئی ہے۔ کسی ایک ہی جماعت کا یہ مرض نہیں ہے۔ ہر جانب تعصب کا دھواں پھیلا ہوا ہے۔ ہم دین کی مصلحتوں سے زیادہ اپنی جماعتوں کی مصلحتوں اور مفادات کے حریص ہوگئے ہیں۔ دین کی خدمت کے بجائے مطمح نظر یہ ہوگیا ہے کہ ہماری جماعت کی تعداد بڑھتی جائے اور ہمارے گروہ کا بول بالا ہو۔ اور پھر دین کا کیسا ہی نقصان ہو ہم اپنی دھن میں ہی مست رہتے ہیں اور کوئی پکار کوئی آواز ہم کو اپنے رویہ پر دوبارہ غور کرنے پر آمادہ نہیں کرتی۔ افسوس!

بار الٰہا! رحم کی فریاد ہے۔ اب بس تیری ہی آس ہے۔ ہائے افسوس! معقول سے معقول بات تعصب اور فرقہ بندیوں کی دیواروں سے سر ٹکرا کے واپس آجاتی ہے۔ ہم کو یہ سوچنے کی بھی توفیق نہیں کہ اسلام اور مسلمان کیسے چیلنجوں کا سامنا کر رہے ہیں، شیطانی تہذیب ودعوت کیسی سیلاب بلا کی طرح ہر طرف سے امڈی چلی آرہی ہے، امت میں مال پرستی، خیانت، مکر وفریب، اور آخرت سے بے فکری کی وبا نے

لاکھوں کو سیرت و کردار کا پکا منافق بنا ڈالا ہے اور اکثر مسلمانوں کی زندگی صرف گناہوں کی نہیں اللہ و رسول سے کھلی بغاوت و بے زاری کی زندگی ہے۔ اور ہم کو یہ سوچنے کی بھی توفیق نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کتنی کمزور، مظلوم، زخموں سے چور، ذلیل اور زمانے کی ستائی ہوئی ہے، اور ہمارے افتراق نے ہم کو ظالموں اور جباروں کے لئے کیسا آسان لقمۂ تر بنا دیا ہے؟ ہمارے تعصب کا یہ حال ہے کہ صحیح ہو یا غلط سلف اور اہل سنت کے علماء کے موافق ہو یا مخالف ہمارے گروہ اور جماعت کی جو بات چلی آ رہی ہے ہم کو تو بس اسی کی تبلیغ کرنا ہے، اسی کی دعوت دئے جانا ہے، اسی کا پروپیگنڈا کرنا ہے، اور ہر قیمت پر اسی کی حمایت کئے جانا ہے۔ **اللھم اھدنا الصراط المستقیم۔**

☆☆☆

نعمانی اکیڈمی کی کچھ نئی اور انمول پیشکش

حالیہ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ میں دوران اعتکاف، ریحانۃ العصر محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا **ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی** (دامت برکاتہم) کے تمام بیانات کی CDs دستیاب ہیں۔

CD-25 (عمومی خطاب بعد تراویح)

عنوان:
مکارم اخلاق سریز۔ ۱۔ صداقت، حق گوئی
مکارم اخلاق سریز۔ ۲۔ معاملات میں سچائی
مکارم اخلاق سریز۔ ۳۔ احسان کرنا
مکارم اخلاق سریز۔ ۴۔ خدمتِ خلق، حسن سلوک
مکارم اخلاق سریز۔ ۵۔ صلہ رحمی
مکارم اخلاق سریز۔ ۶۔ پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی
مکارم اخلاق سریز۔ ۷۔ امانت داری (۲۷ویں شب دعا مع اسماء حسنیٰ)
مکارم اخلاق سریز۔ ۸۔ میزبانی کرنے اور مہمان بننے کے آداب
مکارم اخلاق سریز۔ ۹۔ شرم وحیا
مکارم اخلاق سریز۔ ۱۰۔ اپنے ساتھیوں، ملنے والوں ماتحت لوگوں کے ساتھ حسن سلوک

CD-26 (خصوصی مجلس دیر شب 12:30am)

عنوان:
حکمت کی باتیں سریز۔ ۱۔ حکمت کی تعریف وتشریح
حکمت کی باتیں سریز۔ ۲۔ المجاہدہ فی السلوک
حکمت کی باتیں سریز۔ ۳۔ صحبتِ صالح

حکمت کی باتیں سریز۔ ۴۔ معرفت قلب
حکمت کی باتیں سریز۔ ۵۔ قبولیت دُعا کے انداز
حکمت کی باتیں سریز۔ ۶۔ اللہ کی معرفت
حکمت کی باتیں سریز۔ ۷۔ اللہ سے حسن ظن
حکمت کی باتیں سریز۔ ۸۔ امید اور خوف مومن کی کیفیت

CD-27 (خطاب برائے خواتین)

عنوان:
بچوں کی پرورش سریز۔ ۱۔ (ابتدائی انتہائی اہم باتیں) جسمانی پرورش
بچوں کی پرورش سریز۔ ۲۔ ذہنی ودماغی پروش (Mental growth)
بچوں کی پرورش سریز۔ ۳۔ جذباتی پرورش (Emotional growth)
بچوں کی پرورش سریز۔ ۴۔ تعلیم وتربیت کا خیال
بچوں کی پرورش سریز۔ ۵۔ (خصوصی باتیں لڑکوں کی پرورش کے لئے)
بچوں کی پرورش سریز۔ ۶۔ (خصوصی باتیں لڑکیوں کی پرورش کے لئے)
بچوں کی پرورش سریز۔ ۷۔ وقت بلوغت (Adolesence age)
بچوں کی پرورش سریز۔ ۸۔ نفسیاتی پہلو کا خیال
بچوں کی پرورش سریز۔ ۹۔ طبی لحاظ سے دیکھ بھال

ان تمام بیانات کا انگریزی ترجمہ کی CDs بھی دستیاب ہیں (جو بیانات کے ساتھ ساتھ ہی انگریزی داں طبقہ کے لئے کیا جاتا ہے۔

ملنے کے پتے:

خانقاہِ نعمانیہ مجددیہ، ممدا پور، نیرل، تعلقہ کرجت۔ (دستی حاصل کرنے کے لئے)

نعمانی اکیڈمی آفس ۱: 114/31، نظیر آباد (امین آباد) لکھنؤ، 226018۔ فون 9369026355.0522-4079758

نعمانی اکیڈمی آفس ۲: 26، اسٹیشن روڈ، نزد وکاس دیپ بلڈنگ، لکھنؤ۔ 226001۔ فون: 0522-4004726

Email- nomani_sajjadbilal@yahoo.com